شاہ ولی اللہ

کی

قرآنی فکر کا مطالعہ

مولانا محمد مسعود عالم قاسمی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

کی قرآنی فکر کا مطالعہ

پی ایچ ڈی مقالہ

مولانا محمد سعود عالم قاسمی

حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی

قرآنی فکر کا مطالعہ

مولانا محمد سعود عالم قاسمی

المحمود اکیڈمی

عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت ۱۹۹۸ء

دانیال نے
زاہد بشیر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر
شائع کی۔

قیمت -/90 روپے

فہرست

مقدمہ

ہندوستان کے غالب حصہ میں اسلام کی اشاعت عہد صحابہ و تابعین کے بہت بعد ہوئی۔ اور جن حضرات کی مساعی سے ہوئی وہ اصحاب رسولؐ یا ان کے براہ راست جانشین نہ تھے بلکہ عرب، ترک، ایران اور ماوراء النہر کے ملے جلے مسلمان تھے ان میں علماء اور صوفیا بھی تھے اور تجار و اہل حرفہ بھی، ان حضرات کی جدوجہد کے نتیجہ میں مختلف مرحلوں میں سرزمین ہند پر آہستہ آہستہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ مگر اس اشاعت کے ساتھ تزکیہ و تہذیب نفس اور تربیت ذات پر خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی جس کے بغیر اسلام کا اصلی رنگ انسانوں پر نہیں چڑھتا اس لیے نو واردان اسلام میں فکر و عمل کی بہت سی کمزوریاں باقی رہ گئیں، پھر جو لوگ بعد کے ادوار میں ایران اور اس کی سرحدوں سے ہندوستان آئے وہ اپنے ساتھ وہاں کے مخصوص تصورات و رسوم کی سوغات بھی لے کر آئے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نیز ہندوستان میں غیر مسلموں سے اختلاط اور سماجی حالات کی بنا پر بہت سے نظریات و رسوم مسلموں میں رائج ہو گئے دوسری طرف مسلم سلاطین کا اسلام کے تئیں رویہ کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہ تھا بہت سے سلاطین اپنی ذاتی زندگی میں بلاشبہ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے مگر سیاسی اور اجتماعی امور میں وہ اپنی رہنمائی کے لیے قرآن و سنت پر آئین نوشیروانی اور تورۂ چنگیزی کو ترجیح دیتے تھے۔ دوسرے بعض سلاطین اگرچہ ان دونوں پہلوؤں سے اسلام کی پابندی کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر ان کی مثال آٹے میں نمک جیسی تھی اور ایک بڑی تعداد ان سلاطین کی ہے جو نہ تو ذاتی زندگی میں اسلام کے پابند تھے اور نہ سیاسی اور اجتماعی امور میں اسلام کو اہمیت دیتے تھے۔

مغلیہ دور حکومت ان تمام خرابیوں کا نقطہ عروج (Culmination) بن گیا تھا، ایک طرف خود ہندو مسلم اختلاط سے برآمد ہونے والی قباحتیں تھیں جو عقیدہ و عمل اور رسوم و رواج کے وسیع و عریض حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں، دوسری طرف ایران سے درآمد کی جانے والی جاہلی چیزیں تھیں جو علم و فن سے لے کر آداب حیات، طرز معاشرت اور سیاست سے لے کر اخلاق تک کو متاثر کر چکی تھیں اور تیسری طرف اکبر کی پھیلائی ہوئی فتنہ انگیزی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ ایسا ظاہر کیا تھا کہ جاہلیت اب اسلام سے بھرپور انتقام لے کر رہے گی اور دین اسلام کی جگہ خود ساختہ مذہب "دین الٰہی" لے لے گا۔[1] غلبۂ کفار، شعائر اسلام کا انہدام اور مذہبی صورت حال کی نامساعدگی کا شدید تقاضہ تھا کہ کوئی مسیحا آئے جو مسلمانوں کے درد و غم کا مداوا کرے، امت کے اندر دین حنیف کی روح تازہ پھونکے اور علم دین کی مشعلیں جلائے۔ ان حالات میں

[1] دیکھیے عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ جلد دوم کلکتہ ۱۸۶۸ء۔ عہد اکبری کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب بہترین ماخذ ہے

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی م ۱۰۳۴ھ آگے بڑھے اور اپنے مقدور کے مطابق اصلاحی اور دعوتی جدوجہد کا آغاز کیا، امراء و سلاطین کو جھنجھوڑا، عوام کی اصلاح و تربیت پر توجہ دی۔ صالح عناصر پر مشتمل ایک جماعت تیار کی اور دین حنیف کی اشاعت کی مگر چوں کہ تاریکی ہمہ گیر تھی، بگاڑ ہر شعبہ زندگی میں پھیل چکا تھا اس لیے شیخ صاحب کی اصلاحی جدوجہد اس کا قلع قمع نہ کر سکی اور ماحول پر پھر سناٹا چھا گیا، جاہلیت کا زور توڑنے کے لیے شاہی خاندان ہی سے اورنگ زیب عالمگیر م ۱۱۱۸ھ اٹھے جنھوں نے زمام اقتدار سنبھالا اسلام اور مسلمانوں کی عزت افزائی کا حوصلہ رکھتے مگر مسلمانان ہند و مزاج نے ان کی راہ میں بھی دشواریاں حائل کیں۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر وہ ساری خرابیاں ایک ایک کر کے ابھرنے لگیں جو اس مرد حق آگاہ کی وجہ سے دب گئی تھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین کمزور، بزدل، عیاش، نااہل اور بے کردار واقع ہوئے تھے[1] نہ تو انھوں نے سماجی بدحالی کا مقابلہ کیا اور نہ سیاسی افراتفری پر قابو پایا اور نہ ہی مذہبی بگاڑ کی طرف کوئی توجہ دی بلکہ حالات کی سنگینی کو دیکھا تو شتر مرغ کی طرح خواہشات کے ریگستان میں سر چھپا کر بیٹھ گئے اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کا تماشہ دیکھتے اور دکھاتے رہے[2]۔ اس زمانہ میں نہ علماء کی کمی تھی اور نہ صوفیا کی اگرچہ ان حضرات نے اپنی بساط بھر حالات کی اصلاح کی کوشش کی ہوگی مگر ایسا لگتا ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی۔ اور ہندوستان کا مسلم معاشرہ شکست و ریخت سے بدستور دوچار رہا۔

اسی ماحول اور انہی حالات میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تعلیم و تبلیغ اور اصلاحات کا آغاز کیا۔ اگر ایک طرف ان کے عہد پر نظر ڈالیے اور دوسری طرف ان کے کارناموں کا جائزہ لیجیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی جدوجہد کا محور اجتہادی نہیں بلکہ الہامی ہے۔ اور اپنی بعض کتابوں میں انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا اپنے خواب کے ضمن میں جو تذکرہ کیا ہے اس میں واقعیت اور صداقت پائی جاتی ہے اسی لیے شاہ عبدالعزیزؒ ان کو آیۃ من آیات اللہ قرار دیتے ہیں[3]۔ جس وقت شاہ صاحب فارسی ترجمہ قرآن فتح الرحمان کی تبییض کر رہے تھے اسی سال یعنی ۱۱۵۱ھ میں درگاہ قلی خاں م ۱۱۸۰ھ سالار جنگ آصف جاہ م ۱۱۶۱ھ کے ساتھ دہلی آیا تھا اور ۱۱۵۴ھ میں وہ دکن واپس ہوا، دہلی میں تین سال قیام کے دوران اس نے دہلی کی معاشرت، تہذیب اور سماجی زندگی کا جو مشاہدہ کیا اسے مرقع دہلی میں جمع کیا ہے اس نے یہاں کے قابل ذکر طبقات صوفیا، امراء، اہل حرفہ و پیشہ اور مختلف اصناف فن سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی اخلاقی حالت ان کے لہو و لعب، عیاشی و فحاشی، میلوں ٹھیلوں عرس و مزارات اور رناد و توش کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے

---

[1] شاہ ولی اللہ کی حیات میں اورنگ زیب سے لے کر شاہ عالم ثانی تک دس بادشاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے۔

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱/۱۲۰ (حال مختصر جناب مصنف)

بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جس عہد اور ماحول کو بدلنے کی فکر دسی کی تھی وہ زوال کی انتہا کا اعلانیہ تھا، درگاہ قلی خاں کی منتشر یادداشت کا یہ مجموعہ اختصار کے باوجود معلومات افزا ہے[1] اسی عہد میں محمد حسین عرف نمود انمود نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اور فرخ سیر بھی اس کے ہزاروں معتقدین میں شامل ہو گیا[2]

معاصر مورخ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ ولی اللہ نے جب آنکھ کھولی تو سلطنت مغلیہ کا آفتاب لب بام آچکا تھا، معاشرہ اور سیاست کا پرانا نظام منہدم ہو رہا تھا، زندگی کے ہر شعبہ میں زوال و انحطاط کے اثرات نہایت سرعت کے ساتھ کام کر رہے تھے سارا نظام کھوکھلا ہو چکا تھا اور اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی[3]

اس عہد میں شاہ ولی اللہ کی حیثیت صرف اس بادپیما کی نہیں تھی جو ہوا کا رخ بتاتا ہے بلکہ وہ ہوا کے رخ کو بدلنے کی خاموش جدوجہد میں معروف تھے، چنانچہ یہ درست ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کے بعد ہی ہندی مسلمان نئی زندگی سے لذت آشنا ہوئے گو کہ سیاسی طور پر وہ اپنے قومی شیرازہ کو انتشار سے نہ بچا سکے مگر دینی و سماجی لحاظ سے پختہ تر ہوئے۔ پروفیسر عزیز احمد اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ انھوں نے عہد وسطی اور عہد جدید کے اسلام میں ایک پل یا رابطہ کا کارنامہ انجام دیا[4]

شاہ ولی اللہ یوں تو محدث بھی تھے اور مفسر بھی، فلسفی بھی تھے اور عمرانیات کے ماہر بھی، فقیہ بھی تھے اور نحوی بھی مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور سماجی اصلاحات کا جوہر کز ثقل نظر آتا ہے وہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے فارسی ترجمہ و مختصر حواشی اور دیگر کتب کے مطالعہ سے شاہ صاحب کی قرآن سے وابستگی مضبوط اور مستحکم معلوم ہوتی ہے شاہ صاحب کے انداز بیان میں بھی معنویت ہے اور ان کے استدلال میں بھی وزن محسوس ہوتا ہے۔ بالخصوص "فتح الرحمان" فارسی زبان میں قرآن کے ترجمہ و تفہیم کی ممتاز کوشش ہے چونکہ ہمارے عہد میں ہندو پاک کی عوامی و سرکاری زبان میں فارسی کا دخل نہیں اس لیے شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت سے بالعموم لوگ ناواقف ہیں جو کچھ شاہ صاحب کے قرآنی فکر کا تعارف ہے وہ الفوز الکبیر کے عربی و اردو تراجم تک محدود ہے اور دوسری کتابوں سے کم لوگ واقف ہیں۔

شاہ صاحب کے قرآنی فکر کو متعارف کرانے اور ان کی قرآنی خدمات کے تحلیلی و تنقیدی مطالعہ کی شدید ضرورت تھی، اسی کے پیش نظر راقم نے یہ تحقیقی مقالہ بعنوان "شاہ ولی اللہؒ کے قرآنی فکر کا تنقیدی مطالعہ"

---

[1] دیکھیے مرقع دہلی باردو ترجمہ ڈاکٹر نورالحسن انصاری، دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۹۸۲ء، [2] مجموعہ وصایا اربعہ ۱۹

[3] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۱۷

[4] Studies in islamic Culture in the Indian Environment, Oxford, 1964, P. 20,

قلم بند کرنے کا عزم کیا۔ اس مقالہ کو حسب ذیل چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) شاہ ولی اللہ سے پیشتر قرآن کے فارسی تراجم و تفاسیر کا اجمالی جائزہ
(الف) بیرون ہند میں (ب) ہندوستان میں
(۲) شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی
(۳) شاہ ولی اللہ کی علمی خدمات
(۴) قرآنی علوم پر شاہ ولی اللہ کی تصانیف کا تنقیدی مطالعہ
(۵) فتح الرحمان بترجمۃ القرآن کا تنقیدی مطالعہ
(۶) حاشیہ فتح الرحمان کا تنقیدی مطالعہ

اس ضمن میں بعض نئے مباحث چھیڑے گئے ہیں اور بعض قدیم مباحث پر از سر نو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

فتح الرحمان کے مطالعہ کے سلسلے میں میں نے مطبع انصاری دہلی کے مطبوعہ اور خدا بخش لائبریری پٹنہ کے قلمی نسخوں کو بنیاد بنایا ہے اور دوسرے قلمی نسخوں سے ضمناً مدد لی ہے، اس مقالہ میں میں نے کوشش کی ہے کہ شاہ صاحب کے قرآنی فکر کا احتیاط اور معروضیت کے ساتھ جائزہ لوں، ان کی قرآنی بصیرت کا تجزیہ کروں اور ان کی قرآنی خدمات کو ان کے عہد، ماحول اور تقاضوں کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کروں، خدا جانے میں اس میں کتنا کامیاب ہو سکا ہوں۔

اس مقالہ کی تیاری میں بہت سے بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں نے تعاون کیا ... رہے وہ ہے میں ان سب کا تہ دل سے ممنون ہوں خاص طور پر میں پروفیسر لیسین مظہر صدیقی کا شکر گذار ہوں جنھوں نے فتح الرحمان کا مذکورہ قدیم مطبوعہ نسخہ عنایت کر کے تقریب بحث کا سامان فراہم کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ اس مقالہ پر راقم کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی اور یہ مقالہ میری آنے والی کتاب "ہندوستانی مفسرین اور ان کی فارسی تفسیریں" کے لیے مہمیز ثابت ہوا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ مجھے اور پڑھنے والے کو قرآنی بصیرت عطا کرے اور قرآن کو بروز قیامت ہماری شفاعت کا ذریعہ بنا دے وما ذالک علی اللہ بعزیز

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا
محمد سعود عالم قاسمی
ار ذاکر باغ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پہلا باب

فارسی تراجم و تفاسیر بیرون ہند میں

تفسیر طبری

فارسی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کی تاریخ بہت قدیم ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت سلمان فارسیؓ نے سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ اہل ایران کے لیے کیا تھا۔[۱] یہ ترجمہ اس وقت کہیں دستیاب نہیں ہے۔ اگر یہ بات درست ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ کی روایت کا آغاز حضرت سلمان فارسیؓ سے ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فارسی پہلی زبان ہے جس میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا اور جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے تو اس زبان میں قرآن کریم کی قدیم ترین اور مکمل تفسیر جو دستیاب ہے وہ تفسیر طبری کا ہے یہ تفسیر فارسی میں طبع زاد طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ مشہور مؤرخ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی عربی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن" کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ علامہ طبری کی وفات کے چالیس سال بعد کیا گیا۔[۲]

جس صورت حال میں یہ ترجمہ کیا گیا وہ اس بات کا پورا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ فارسی میں یہ پہلا مکمل ترجمہ اور تفسیر ہے، چنانچہ اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "یہ کتاب محمد بن جریر طبریؒ کی روایت کی ہوئی ضخیم تفسیر ہے جس کا فارسی دری میں ترجمہ کیا گیا ہے اس کتاب کو جو عربی زبان میں چالیس جلدوں میں تھی اور اس میں طویل اسناد تھے امیر سید ملک مظفر ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیلؒ کے پاس بغداد سے لایا گیا" امیر کے لیے اس تفسیر کو عربی میں پڑھنا اور سمجھنا بہت دشوار تھا اس لیے انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ ماوراء النہر کے علماء کو جمع کر کے فتویٰ پوچھا گیا کہ اس کتاب کو فارسی زبان میں منتقل کرنا درست ہے کہ نہیں۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ ایسے شخص کے لیے جو عربی زبان نہیں جانتا قرآن کی حسب ذیل آیت کی روشنی میں "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (ابراہیم: ۴) "ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں" فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھنا اور پڑھنا جائز ہے، چنانچہ ملک مظفر ابو صالح نے

---

[۱] شمس الدین السرخسی، المبسوط جلد اول ص۳۷، مصر ۱۳۲۴ھ نیز ملاحظہ ہو، روح المعانی جلد چہارم ص۵، دیوبند

[۲] ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران، اول ص۳۲۵، تہران یونیورسٹی ۱۳۵۲ھ طبریؒ کے حالات زندگی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن خلکان، وفیات الاعیان ۳/۳۳۲ مکتبۃ النہضۃ المصریۃ ۱۹۴۸ء، الاعلام ۲۹۴/۶

علماء ماوراء النہر کو جمع کرنے کا حکم دیا، مثلاً بخارا سے ابوبکر محمد بن الفضل امام، ابوبکر محمد بن اسماعیل فقیہ، ابوبکر احمد بن حامد فقیہ، خلیل بن احمد سجستانی، اور شہر بلخ سے ابو جعفر بن محمد بن علی، باب الہند سے الحسن بن علی مندوسی، ابوجہم خالد بن ہانی متفقہ لائے گئے، اسی طرح شہر سمرقند، اسپیجاب، فرغانہ وغیرہ اور ماوراء النہر کے ہر شہر کے علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ اس کتاب کا ترجمہ مناسب ہے۔ اس کے بعد ملک مظفر نے علماء کی اس جماعت سے کہا کہ ان کے درمیان جو زیادہ عالم و فاضل ہوں ان کا انتخاب کریں تاکہ وہ اس کتاب کا ترجمہ کریں [1]

اس مقدمہ سے صاف ظاہر ہے کہ فارسی میں ترجمہ و تفسیر قرآن کی یہ پہلی کوشش تھی، اگر اس سے پہلے کوئی کوشش ہوئی ہوتی تو یہاں استفتا کی ضرورت نہ تھی اور علماء کے محضر کی بھی خاص اہمیت نہ ہوتی بلکہ نظیر کی موجودگی میں ترجمہ کا کام بلا تردد شروع کر دیا جاتا۔ اصل تفسیر عربی میں چالیس جلدوں میں ہے جب کہ فارسی ترجمہ بیس جلدوں میں کیا گیا ہے، ترجمہ کے آغاز کی قطعی تاریخ معلوم نہیں تاہم یہ مسلّم ہے کہ یہ ترجمہ ۳۵۰ھ اور ۳۶۶ھ کے درمیان مکمل ہوا کیونکہ امیر منصور بن نوح کا زمانہ حکومت یہی ہے [2]

تفسیر کیمبرج

تفسیر طبری کے بعد دوسری تفسیر جس کا سراغ مل سکا ہے وہ "تفسیر کیمبرج" کے نام سے مشہور ہے اس کے مصنف کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ تفسیر پانچویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں لکھی گئی ہے، اس کے نسخہ کی کتابت ۶۲۸ھ مطابق ۱۲۳۱ء میں ہوئی۔ مقام کے سلسلہ میں بھی کوئی حتمی ثبوت موجود نہیں ہے البتہ مؤلف نے سورۃ الواقعہ کی آیت ۲۸ "فی سدر مخضود" کے ضمن میں لکھا ہے کہ سدر کو فارسی میں کنار کہتے ہیں یہ خراسان میں نہیں ہوتا۔ [3] مشہور محقق ڈاکٹر جلال متینی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مؤلف کا تعلق خراسان کے کسی شہر سے ہوگا، اور تائید میں تفسیر کی زبان کا لہجہ اور انداز بیان کو بھی پیش کیا ہے [4] تفسیر کیمبرج چار جلدوں میں تھی

---

[1] تاریخ ادبیات در ایران، اول ص ۲۶-۳۲۵۔ ابوبکر محمد بن فضل امام اور ابوبکر محمد بن اسماعیل کے نام کا اضافہ پروفیسر نذیر احمد کی تحقیق کے مطابق کیا گیا ہے ملاحظہ ہو، سہ ماہی تحقیقات اسلامی جولائی تا اکتوبر ۱۹۸۲ء مسل گڑھ بعنوان فارسی کی قدیم ترین تفسیر۔

[2] C. A. Story, Persian literature. London. 1953. Vol. 1, P. 1,

[3] تفسیر قرآن مجید جلد دوم، سورۃ الواقعہ۔ بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۴۹ شمسی

[4] تفسیر قرآن مجید جلد دوم سورۃ الواقعہ، تعارف از جلال متینی

لیکن اب اس کی آخری دو جلدیں ہی باقی رہ گئی ہیں جو کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ یہی جلدیں ڈاکٹر جلال متینی کے عالمانہ مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ ۱۳۴۹ شمسی میں بنیاد فرہنگ ایران تہران سے شائع ہوئی ہیں جلد اول سورہ مریم سے صافات تک اور جلد دوم سورہ ص سے ختم قرآن تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

تفسیر موزون

تفسیر موزوں ایک ضخیم اور مفید تفسیر ہے اس کے کچھ اجزا اہل تشیع کے آٹھویں امام کے روضہ میں محفوظ ہیں جو سورہ یونس کی ۶۱ ویں آیت سے لے کر سورۂ ابراہیم کی ۲۵ ویں آیت تک پر مشتمل ہیں، اس تفسیر کا نام تفسیر موزوں اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ "شعر ہجائی" کا ایک نمونہ ہے، اس تفسیر کے مولف کا کوئی پتہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا سنہ تصنیف معلوم ہے، لیکن ڈاکٹر احمد علی رجائی نے اس مخطوطہ کے خط، کاغذ، انداز تحریر اور زبان کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تفسیر تیسری صدی ہجری کے اواخر یا چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں تحریر کی گئی ہوگی، اس کی مزید وجہ ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اس زمانہ تک فارسی میں "شعر عروضی" کا چلن نہیں ہوا تھا [1]

لیکن اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر طبری کے فارسی ترجمہ کے وقت علماء سے جواز و عدم جواز کا فتویٰ لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا یہ جواب بھی ناکافی ہے کہ غالباً بغیر قرآن کی عبارت درج کیے صرف ترجمہ لکھنے پر فتویٰ لیا گیا تھا، بہر صورت قرین قیاس یہی ہے کہ یہ اسی عہد کی تفسیر ہے خواہ ترجمہ طبری سے قبل کی ہو یا بعد کی۔

اس تفسیر میں ترجمہ حرفی یا لفظی بھی ہے اور ترجمہ تفسیری بھی لیکن ترجمہ تفسیری کا غلبہ بین طور پر موجود ہے۔ اس تفسیر کے طرز ادا، مخصوص لہجہ، اور بات کہنے کے انداز سے لوگوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ اس کا مفسر مشرق ایران اور احتمالاً علماء ماوراء النہر میں سے تھا، ترجمہ کا نمونہ یہ ہے۔

"وما تکون فی شان وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شہودا" (یونس ۶۱)

ترجمہ:- در ہیچ حال نیچ کار زبردست نگیری از قرآنم حرفے نخوانی اندک و بسیار ہیچ کار نکنی کہ ما ندانستیم۔

تفسیر سور آبادی

پانچویں صدی ہجری کی ایک اہم تفسیر سور آبادی کے نام سے معروف ہے حمد اللہ مستوفی اور حاجی خلیفہ کے

---

[1] موسیٰ دردوی، نخستین مفسران پارسی نویس ص ۵۲-۱۵۱، انتشارات نور فاطمہ۔ ایران

قول کے مطابق اس کے مؤلف ابوبکر عتیق بن محمد الہروی السور آبادی ہیں[1] مصنف ممتاز عالم اور الپ ارسلان کے ہم عصر تھے، چونکہ الپ ارسلان کا زمانہ ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف پانچویں صدی کے نصف آخر تک بقید حیات رہے ہوں گے[2] اس تفسیر کے متعدد نسخے کتاب خانہ حوزہ ایران، انڈیا آفس لندن، سڈن، برلن اور استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر فارسی نثر نگاری کا عمدہ نمونہ ہے اور حل اصطلاحات لغات سے پر ہے، قرآن کی عبارتوں اور ترکیبوں کا فارسی دری میں تحت اللفظ ترجمہ ہے، اس کا ایک حصہ ڈاکٹر یحییٰ مہدوی کے مقدمہ کے ساتھ ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوا اور عکسی نسخہ بنیاد فرہنگ تہران سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوا ہے[3]

تاج التراجم فی تفسیر القرآن للاعاجم

یہ کتاب تفسیر اسفرائنی کے نام سے بھی مشہور ہے، فارسی تفسیروں میں یہ خاص اہمیت کی حامل ہے، اندازہ ہے کہ یہ تفسیر پانچویں صدی ہجری کے وسط یا نصف آخر کے اوائل میں لکھی گئی ہے، اس تفسیر کے مصنف امام عماد الدین ابوالمظفر محمد طاہر اسفرائنی شاہپور شافعی م ۴۷۱ھ ہیں[4] اس تفسیر کو کئی مجلسوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر مجلس میں ایک سورہ کا ترجمہ و تفسیر ہے، حاجی خلیفہ نے اس کتاب کو "تاج التراجم فی تفسیر القرآن للاعاجم" کے نام سے ذکر کیا ہے اور اس کا مؤلف امام شاہپور طاہر بن محمد اسفرائنی کو قرار دیا ہے[5] پیرس کے قومی کتب خانہ میں تاج التراجم کا جو نسخہ موجود ہے اس میں مصنف کا لقب عماد الدین اور کنیت ابوالمظفر رقم ہے۔
اس کتاب کا ایک نسخہ جو کہ سورہ مریم سے لے کر الناس تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، تہران یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ ترکی کے کتب خانہ کا عکسی نسخہ ہے، اس کتاب میں ہر آیت کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا گیا ہے پھر آیات کے معانی و مقاصد، قصص اور شان نزول مختصراً بیان کیے گئے ہیں[6]

کشف الاسرار وعدۃ الابرار

یہ ایک صوفی عالم خواجہ عبداللہ بن محمد اصفہانی، ہروی م ۴۸۱ھ

---

[1] کشف الظنون اول ص ۴۴۹؛ [2] تاریخ ادبیات در ایران ۲/۹۰

[3] ایضاً، نیز Persian literature, Vol. I, p. 3 نیز، نذیر احمد، ایک قدیم فارسی تفسیر مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جولائی تا اکتوبر ۱۹۸۳ء، کشف الظنون اول ص ۴۲۹

[4] علی اکبر دہ خدا، لغت نامہ، شمارہ مسلسل ۸۵، حرف ع ص ۲۹۱، [5] کشف الظنون اول ص ۴۴۲

[6] تاریخ ادبیات در ایران، دوم ص ۹۰۳، پرشین لٹریچر ۱/۳، مصنف کے حالات کے لیے دیکھیے الطبقات الشافعیہ

کی تفسیر ہے[1] ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ تفسیر ایک سو ستائیس (۱۲۷) تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ اس تفسیر کی شرح ابوالفضل رشید الدین المیبذی نے ۵۲۰ھ میں لکھی جو تہران یونیورسٹی کے زیر اہتمام دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے، ہر جلد تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے، ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے اس کو ایڈٹ کیا ہے اور اس پر مقدمہ لکھا ہے۔ یہ تفسیر اپنی نوعیت کی مفصل اور جامع تفسیر ہے۔ متن کے لحاظ سے "تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری" کے نام سے معروف ہے ۱۳۲۸ھ میں مطبعہ مجلس تہران سے شائع ہوئی ہے[2]

تفسیر نسفی

یہ ابو حفص نجم الدین عمر نسفی م ۵۳۷ھ کی تفسیر ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول سورۃ الحمد سے سورۃ انبیاء تک اور جلد ثانی ختم قرآن تک پر مشتمل ہے، اس تفسیر کی دریافت ڈاکٹر عزیز اللہ جوینی نے کی ہے، اس تفسیر کا قلمی نسخہ کتاب خانہ آستان قدس رضوی ایران میں موجود ہے، اس نسخہ کی کتابت ۸۹۰ھ میں ہوئی، ڈاکٹر جوینی نے دیدہ ریزی کے ساتھ اس کی تصحیح کی ہے اور اپنے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے[3] مصنف اکابر علماء حنفیہ میں تھے اور قرآن و حدیث، فقہ و کلام اور دوسرے علوم پر ان کو عبور حاصل تھا، ان کی بعض کتابیں ہمارے مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہیں، کہا جاتا ہے ان کی مختلف موضوعات پر ایک سو کتابیں ہیں[4]

تفسیر زاہدی

یہ ایک مشہور تفسیر ہے اس کے مصنف ابونصر احمد ابن الحسن ابن احمد سلیمان زاہدی ہیں یہ کتاب ۵۱۹ھ مطابق ۱۱۲۵ء میں بخارا میں لکھی گئی، اس تفسیر میں سورتوں کے مابین ربط و نظم واضح کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے[5] اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ جس کی کتابت محمد اکرم بن محمد شریف نے ۱۱۲۵ھ میں کی ہے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود

---

[1] Ismat Binark, World Bibliography of translation of the meaning of The Holy Quran, Istambul, 1986.
مصنف کے حالات زندگی کے لیے دیکھیے الاعلام ۴/۲۶۷

[2] جائزہ تراجم قرآنی ص ۸۴۔ مقدمہ نگار نے اسے میبذی کی تالیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الاسرار وعدۃ الابرار مقدمہ، مطبع مجلس تہران ۱۳۳۱ھ۔ [3] تفسیر نسفی، مطبوعہ اشارات فرہنگ تہران، کشف الظنون اول ص ۵۱۹

[4] زرکلی، الاعلام ۵/۲۲۵ مطبع کوستا تسوماس القاہر

[5] پرشین لٹریچر ۱/۴

ہے[۱] یہ تفسیر عہد سلطنت میں معروف اور متداول رہی ہے اس لیے بکثرت اس کے نسخے ملتے ہیں۔

تفسیر بصائر یمینی

یہ کتاب البصائر فی التفسیر کے نام سے بھی مشہور ہے، اس کے مؤلف محمد بن محمود نیشاپوری ہیں، یمین الدولہ بہرام شاہ سلطان غزنی کو جب ملک سنجر نے غزنی پر حملہ کی دھمکی دی تو سلطان نے اسی عالم کو نمائندہ بنا کر بھیجا تھا یہ واقعہ ۵۲۹ھ کا ہے۔ مولف کا لقب ظہیر الدین اور کنیت ابو جعفر ہے ۵۲۵ھ میں یہ تفسیر مکمل ہوئی [۲]

موضح فی التفسیر

یہ شیخ اسماعیل بن محمد القرشی الاصفہانی م ۵۳۵ھ کی تفسیر ہے، مصنف نے عربی میں بھی ایک تفسیر دس جلدوں میں "المعتمد فی التفسیر" کے نام سے لکھی ہے، موضح فی التفسیر تین جلدوں میں ہے تاہم اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے [۳]

روض الجنان وروح الجنان

اس تفسیر کے مؤلف ابو الفتح حسین بن علی بن محمد بن احمد الخزاعی الرازی نیشاپوری ہیں [۴] یہ ایک بڑے شیعی عالم تھے اور ری کے علاقہ میں اہل تشیع میں وعظ و تذکیر کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان کا سنہ وفات معلوم نہیں "ریاض العلماء" کے مصنف نے ابو الفتح کی تحریر میں ایک اجازت نامہ شرح الشہاب کے نسخہ کی پشت پر ۵۵۲ھ کی تاریخ میں لکھا ہوا دیکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب چھٹی صدی کے نصف آخر میں یا وسط میں لکھی گئی ہوگی [۵] اصل کتاب بیس جلدوں میں تھی اور اب پانچ جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے، مصنف نے ہر سورہ کے شروع میں سورہ کا نام، آیات کی تعداد مکی و مدنی کی تعیین، قرأت

---

[۱] تفسیر زاہدی (قلمی خدا بخش لائبریری پٹنہ ص ۱۱۳، [۲] پرشین لٹریچر ۱/۹، ماکشف الظنون ۱/۲۳۶ لباب الالباب اول ص ۲۱۴

[۳] کشف الظنون دوم ص ۵۷، جائزہ تراجم قرآنی ص ۸۵ ۔ [۴] اعیان الشیعہ ۱/۳۶۹ بیروت ۱۹۵۱ء ڈاکٹر عسکر حقوقی نے مصنف کی کنیت ابو الفتح کے بجائے ابو الفتوح کو درست قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی

[۵] ڈاکٹر عسکر حقوقی لکھتے ہیں "آنچہ محقق است تالیف ایں کتاب در اواسط قرن ششم ہجری صورت پذیرفت یعنی قبل از ۵۱۰ھ و بعد از ۵۵۶ھ نبودہ است" تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی ص ۲۳

کا اختلاف اور ان جیسے مسائل کا تذکرہ کیا ہے، قصص اور فقہی و کلامی مسائل پر بھی گفتگو کی ہے اس کتاب میں امام رازی کے اثرات نمایاں ہیں [۱]

تفسیر عاشق

یہ میر کرم اللہ عاقل خاں ابن شکر اللہ عالم گیری کی تالیف ہے، مصنف کے حالات کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی [۲]

لطائف التفسیر

یہ امام ابوبکر محمد بن فضل کی لکھی ہوئی تفسیر ہے، اس کا ایک نسخہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس تھا جسے انھوں نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو دے دیا، مصنف بخارا کے رہنے والے تھے ۳۴۰ھ میں وفات پائی [۳] لطائف التفسیر کے نام سے ایک اور تفسیر ابو نصر احمد بن دروا جگی م ۵۴۰ھ سے منسوب ہے۔

مشکلات القرآن

یہ ابو الفضل جیش ابراہیم تفلیسی م ۶۶۹ھ کی تفسیر ہے، نام سے کچھ ایسا لگتا ہے کہ یہ تفسیر کے بجائے مشکل مقامات کی توضیح ہے یا تفسیری یادداشت ہے، اس کے ساتھ ایک ترجمہ بھی ہے جسے احمد بن علی محمد کاتب نے ۸۰۲ھ میں لکھا ہے، یہ بھی معلوم نہیں کہ احمد بن علی ترجمہ کے صرف کاتب ہیں یا مترجم بھی وہی ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ ترجمہ تو صاحب مشکلات القرآن ہی کا ہے اور احمد بن علی صرف کاتب ہیں۔ یہ ترجمہ و تفسیر استنبول کے کتب خانہ میں موجود ہے [۴]

کشف الاسرار وعدۃ الابرار

اس نام کی یہ دوسری تفسیر ہے اس کے مصنف سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی سمرقندی ہیں، یہ امیر تیمور

---

[۱] تاریخ ادبیات در ایران دوم ص ۹۶۲-۶۵ ۔ استوری نے مصنف کا سنہ وفات ۵۸۵ھ لکھا ہے، پرشین لٹریچر ۱/۴۱

[۲] اسماعیل پاشا، ایضاح المکنون ص ۳۰۸ تہران ۱۳۷۵ھ تحقیق

[۳] جائزہ تراجم قرآنی ص ۸۵ [۴] ایضاً ص ۸۶

کے رفیقوں میں تھے اور ممتاز عالم دین تھے ۹۰۳ھ میں وفات پائی[1]

تفسیر محمد پارسا

یہ تفسیر مکمل نہیں ہے بلکہ صرف سورۃ الملک اور سورۃ النبا پر مشتمل ہے، اس کے مصنف محمد بن محمود الحافظی البخاری ہیں، یہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے شاگرد تھے ۸۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی[2] اس تفسیر کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے[3]

تفسیر جرجانی

شیخ سعدیؒ سے منسوب جو ترجمہ عام طور پر رائج اور مشہور ہے اور شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ فتح الرحمان کے ساتھ متعدد بار شائع بھی ہوا ہے وہ اصلاً علی بن محمد شریف الجرجانی م ۸۱۶ھ کا ترجمہ ہے[4] ناشر نے تجارتی فوائد کے پیش نظر اسے سعدیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے چنانچہ مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں کہ "جس کو آج کل جہلا سعدیؒ کا ترجمہ سمجھتے ہیں وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لیے سعدیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے"[5]

تفسیر یعقوب چرخی

یہ تفسیر شیخ یعقوب عثمان بن محمود بن محمد غزنوی، چرخی، تبریزی کی تالیف ہے اور وسط ایشیا میں خاصی معروف اور متداول رہی ہے، مصنف خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور خواجہ عبید اللہ احرار کے شاگرد تھے آپ نے مصر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی، یہ تفسیر نامکمل ہے اور لاہور سے شائع ہو چکی ہے، مصنف نے ۸۳۹ھ میں وفات پائی[6] جائزہ تراجم کے مؤلفوں نے مصنف کو پانچویں صدی ہجری کا ثابت کیا ہے جو محل نظر ہے[7] مصنف کی ایک اور تفسیر سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الملک تا ختم قرآن پر مشتمل ہے، یہ تفسیر، تیسیر القرآن، الکشاف

---

[1] پرشین لٹریچر ۱/۶، کشف الظنون ۱/۴۸۶، الاعلام ۸/۱۹۳، [2] کشف الظنون ۱/۴۴۷ پرشین لٹریچر ۱/۶

[3] ہندوستان میں علوم قرآنیہ کے غیر مطبوعہ مخطوطات ص۵۶

[4] الاعلام ۵/۱۵۹، [5] مقدمہ تفسیر حقانی ص۵۰۷، جائزہ تراجم قرآنی ص۸۸، [6] پرشین لٹریچر ۱/۹، حدائق الحنفیہ ص۳۲

[7] جائزہ تراجم قرآنی ص۱۰۹

اور تفسیر الکواشی کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے[1] اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری اے، ایم، یو کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے[2]

تفسیر مصنفک

یہ علاؤ الدین علی بن محمد شاہرودی البسطامی العمر البکری کی تفسیر ہے، چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے مگر نامکمل ہے مصنف نے فارسی زبان میں اس تفسیر کو لکھنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سلطان محمد خاں م ۸۶۳ھ کے حکم کی تعمیل میں یہ تفسیر لکھی، ان کی ایک دوسری مکمل تفسیر بھی ہے جو ملتقی البحرین کے نام سے ہے مگر عربی زبان میں ہے مصنف نے قونیہ میں ۸۷۵ھ میں وفات پائی[3] صغر سنی سے تصنیف وتالیف میں مشغول ہونے کے باعث ان کا لقب مصنفک مشہور ہوا[4]

مواہب علیہ (تفسیر حسینی)

یہ تفسیر کمال الدین حسین بن علی الکاشفی الواعظ الہروی م ۹۱۰ھ کی تصنیف ہے اور تفسیر حسینی کے نام سے بھی معروف ہے[5] اس کا ترکی ترجمہ ابوالفضل محمد بن ادریس البدلیسی نے کیا ہے، اور اردو ترجمہ مولوی فخر الدین احمد نے کیا ہے۔ مواہب علیہ ہندوستان میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے، کبھی فتح الرحمان کے ساتھ، کبھی شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کے ساتھ، اور کبھی شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کے ساتھ اور کبھی منفرد طور سے شائع ہوئی ہے۔ مقام اور سنہ اشاعت کی تفصیل یہ ہے، نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۶ء میں بمبئی سے ۱۸۹۳ء کلکتہ سے ۱۸۳۷ء بمبئی سے ۱۸۹۶ء، ۱۸۶۳ء، ۱۸۷۹ء، ۱۸۸۹ء، ۱۹۲۰ء میرٹھ سے ۱۸۶۷ء، ۱۸۶۱ء میں لکھنؤ سے ۱۸۷۸ء، ۱۸۷۴ء، ۱۸۸۸ء میں دہلی سے ۱۸۷۶ء، ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۳ء میں لدھیانہ سے ۱۸۷۶ء میں آگرہ سے ۱۸۹۰ء میں کانپور سے ۱۸۹۵ء وغیرہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں یہ ترجمہ وتفسیر کس قدر معروف اور متداول رہی ہے۔ مصنف ملا جامی کے برادر نسبتی تھے، اور کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن میں اخلاق محسنی، انوار سہیلی، اسرار قاسمیہ، الاربعین فی الاحادیث، الموعظۃ، روضۃ الشہداء

---

[1] تفسیر الکواشی موفق الدین احمد بن یوسف موصلی شیبانی م ۶۸۰ھ کی تفسیر ہے ان کی دو تفسیریں ہیں، بڑی کا نام تبصرہ اور چھوٹی کا نام تلخیص ہے، مقدمہ تفسیر حقانی ص۱۳۶، تلخیص کا ایک قلمی نسخہ ٹونک کی لائبریری میں ہے۔

[2] تفسیر الکواشی (قلمی) مولانا آزاد لائبریری اے، ایم، یو۔ [3] کشف الظنون ۲/۴۵۹، پرشین لٹریچر ۱/۲، [4] الاعلام ۵/۱۶۱

[5] تفسیر حسینی، نول کشور لکھنؤ، نیز دیکھیے تذکرۃ المفسرین اول ص۱۵۹

رشحات السبعة الکاشفية فی النجوم، کتاب المعنوی، لباب الاختیارات وغیرہ معروف ہیں [1]

جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر

یہ مصنف مذکور کی دوسری تفسیر ہے چار جلدوں پر مشتمل ہے، المواہب العلیہ ایک طرح سے اس کا خلاصہ ہے جو دو جلدوں میں ہے یہ تفسیر شاہ طہماسپ کے عہد میں امیر علی شیر کے لیے لکھی گئی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے [2] حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ یہ زہراوین کی تفسیر ہے اور ایک ضخیم جلد میں ہے، اس کے شروع میں علوم تفسیر کے ۲۲ فنون پر گفتگو کی گئی ہے [3]

تفسیر شاہی

یہ تفسیر ابوالفتح حسینی کے نام سے بھی معروف ہے، یہ آیاتِ احکام کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس کے مصنف مشہور شیعی عالم ابوالفتح حسینی الجرجانی م ۹۷۶ھ تھے۔ یہ تفسیر مرزا ولی اللہ اشراقی کے مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ تبریز سے ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے تعارف میں مقدمہ نگار نے لکھا ہے "تفسیر شاہی مستنبط احکام فرعیہ از آیات قرآنی و متعرض شرح معانی مفردات و معرب آیات و نشاندہ احادیث مروبہ با یا نت نادار است" [4] یہ کتاب شاہ طہماسپ صفوی کے لیے ۹۳۰ھ میں لکھی گئی ہے۔

تفسیر جواری

اس تفسیر کا نام ترجمۃ الخواص بھی ہے اس کے مصنف فخرالدین علی بن الحسن الزواری ہیں [5] یہ تفسیر شاہ طہماسپ کے عہد میں لکھی گئی ہے، تفسیر میں شیعی رجحانات کی نمائندگی کی گئی ہے [6]

---

[1] World Bibliography of Translations of the Meaning of The Holy Quran P. 348

[2] جائزہ تراجم قرآنی ص۹۰، نیز عارف نوشاہی، فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی، ص۵۰، نیز ملاحظہ ہو تفسیر حسینی ص۲۰۳، تذکرۃ المفسرین اول ص۱۵۹ [3] کشف الظنون ۱/۹۳

[4] تفسیر شاہی مقدمہ، نیز ملاحظہ ہو پرشین لٹریچر ۱/۳۱۔ [5] اعیان الشیعہ جلد اول ص۳۶۹

[6] پرشین لٹریچر ۱/۱۴

منہج الصادقین

اس تفسیر کا پورا نام منہج الصادقین فی الزام المخالفین ہے یہ فتح اللہ بن شکور اللہ الشریف الکاشانی کی تفسیر ہے۔ یہ بھی شیعی نقطہ نظر کی حمایت میں لکھی گئی ہے، اس کے مصنف الزواری کے شاگرد تھے ۹۷۸ھ میں وفات پائی [1] یہ تفسیر مرزا ابوالحسن شعرانی کے مقدمہ کے ساتھ کتابفروشی اسلامیہ تہران سے ۱۳۴۴ھ میں شائع ہو چکی ہے اور دس جلدوں میں ہے، اس میں حل لغات، نحوی و صرفی تراکیب، عربی نکات، اہل سنت کی تردید، امامیہ مسلک کی تبلیغ وغیرہ پر زور دیا گیا ہے [2]

جلاء الاذہان

یہ ابوالمحاسن حسین بن حسن جرجانی کی تفسیر ہے، مؤلف فرقہ امامیہ شیعہ میں سے تھے اور قوی احتمال یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری میں تھے۔ یہ تفسیر امامیہ نقطہ نظر کے مطابق لکھی گئی ہے اور چار جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد ابتداء قرآن سے ختم سورہ انعام تک، دوسری جلد سورہ اعراف سے آخر سورۂ بنی اسرائیل تک۔ تیسری جلد سورہ کہف سے سورہ فاطر کی تفسیر تک، اور جلد چہارم سورہ یٰسین سے ختم قرآن تک۔

پہلی دو جلدیں شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور آخر کی دو جلدیں نسبتاً مختصر ہیں۔ یہاں تک کہ فارسی ترجمہ بھی نہیں کیا گیا ہے، اس سے جناب ابن یوسف شیرازی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ تفسیر دو مصنفوں کی رقم کردہ ہے، پہلی دو جلدیں حسین بن حسن شیرازی کی اور آخری دو جلدیں سید گازر کی، اسی لیے اس تفسیر کے نام میں جلاء الاذہان کے ساتھ تفسیر گازر کا بھی اضافہ کیا ہے، ابن یوسف شیرازی نے بعض اور قرائن سے بھی اس سلسلہ میں استشہاد کیا ہے [3] اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ بوہار میں موجود ہے [4]

البحر المواج

یہ تفسیر بہاء الدین محمد بن تاج الدین حسین بن محمد اصفہانی (ولادت ۱۰۶۲ھ وفات ۱۱۳۷ھ) کی تالیف ہے

---

[1] پرشین لٹریچر ۱/۱۹ [2] منہج الصادقین، مطبوعہ تہران ۱۳۴۴ھ

[3] ابن یوسف شیرازی، فہرست کتاب خانہ مجلس شورائی ملی ۱/۱۹، تہران، ۱۳۲۱ھ

[4] ہندوستان میں علوم قرآنیہ کے غیر مطبوعہ مخطوطات ص۷

جوانی کے کچھ دن مؤلف نے ہندوستان میں گذارے تھے اور یہاں کے علماء سے مباحثہ ومناظرہ بھی کیا تھا اس لیے "فاضل ہندی" کے لقب سے مشہور ہیں، شیعہ امامیہ کے مشاہیر علماء وفقہا میں ان کا شمار ہوتا تھا متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) کشف اللثام فی شرح قواعد الاحکام (۲) المناہج السویہ فی شرح الروضۃ البہیۃ (۳) شرح بر شرح اللمعۃ دمشقیہ (۴) عون اخوان الصفا فی تلخیص مختصر الشفاء (۵) شرح کافیہ (۶) شرح قصیدہ سید حمیری وغیرہ

مذکورہ تفسیر فارسی زبان میں شیعی نقطہ نظر سے عمدہ تفسیر ہے، طریقہ تفسیر یہ ہے کہ پہلے آیات قرآنی کے ساتھ جملہ بجملہ فارسی ترجمہ نقل کرتے ہیں اس کے بعد احادیث واخبار سے اس کی تفسیر کرتے ہیں، پھر فقہا، مفسرین، متکلمین وغیرہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتاب خانہ مجلس شورای ملی ایران میں موجود ہے [1]

خلاصۃ المنہج

یہ منہج الصادقین کا خلاصہ ہے، اور دو جلدوں میں ہے جلد اول از ابتدا تا سورۃ مریم اور جلد ثانی از مریم تا ختم قرآن پر مشتمل ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے جلد ثانی ناقص الآخر ہے، اختصار کنندہ نے لکھا ہے کہ کتاب کی ضخامت اور لوگوں کی مشغولیات کی وجہ سے استفادہ کرنا دشوار تھا اس لیے اس کا اختصار کیا گیا [2]

حدائق الحقائق

اس تفسیر کا نام حدائق الحقائق فی کشف الاسرار والدقائق ہے، یہ ملا معین الدین فراہی ہروی معروف بہ ملا مسکین م ۹۰۸ھ کی تالیف ہے [3] اس کا ایک حصہ جو احسن القصص کے نام سے بھی موسوم ہے اور سورہ یوسف کی تفسیر پر مشتمل ہے، ہندوستان سے ۱۳۰۹ھ میں اور ایران سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ آخری مرتبہ ڈاکٹر سید جعفر سجادی کی تصحیح وتعارف کے ساتھ تہران یونیورسٹی سے ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا ہے، مقدمہ میں مصنف نے صراحت کی ہے کہ پہلے سورہ فاتحہ سے البقرہ تک کی تفسیر لکھی پھر سورہ یوسف کی پھر آل عمران سے سورہ ہود

---

[1] فہرست کتاب خانہ مجلس شورائی ملی ج ۵۔

[2] ملاحظہ ہو، خلاصۃ المنہج (قلمی)، مولانا آزاد لائبریری، سبحان اللہ کلکشن ۱۱۳۳، [3] دیکھیے حدائق الحقائق، تعارف ص ۱۲ نیز دیکھیے فہرست نسخہ ہائی خطی کتاب خانہ گنج بخش، اول ص ۲ نیز جائزہ تراجم قرآنی ص ۹۴

تک کی تفسیر لکھی [1] مؤلف جامع مسجد ہرات میں امامت اور وعظ ونصیحت کا فریضہ انجام دیتے تھے [2]

تفسیر پاک

کچھ اور بھی تفسیروں کا پتہ چلتا ہے جن کے اجزا بعض ذخائر کتب میں دستیاب ہوئے ہیں، ان میں ایک تفسیر پاک ہے۔ یہ کسی قدیم تفسیر کے باقی ماندہ اجزا کا نام ہے، یہ اجزا پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہیں اس کتاب کا عکس بنیاد فرہنگ تہران سے ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا ہے [3]

بخشے از تفسیر کہن

ایک اور تفسیر کے صرف ساٹھ اوراق کتاب خانہ خسرو پاشا استنبول میں محفوظ ہیں، یہ تفسیر بخشے از تفسیر کہن کے نام سے بنیاد فرہنگ تہران نے ۱۳۵۱ھ میں شائع کر دی ہے، مشہور محقق مجتبی مینوی نے اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے، اور خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ تفسیر چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی ہوگی، مگر یہ صرف قیاس ہے کسی معتبر ذریعہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ان ساٹھ اوراق کا تعلق سورۃ البقرہ سے ہے [4]

تفسیر بعض سور القرآن

یہ قرآن کریم کی حسب ذیل سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورہ یٰسین، الفتح، الرحمٰن، الواقعہ، الانفطار اور الانشقاق تا الناس۔ اس کی ضخامت ۲۹۵ صفحات ہے، مصنف کا نام اور سنہ کتابت بھی درج نہیں ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اجزا کسی مکمل تفسیر کے ہیں (اگرچہ اسی کا امکان ہے) یا بالقصد متفرق سورتوں ہی کی تفسیر کی گئی ہے، اس کا ایک مخطوطہ جامعۃ الملک عبد العزیز جدہ (سعودی عربیہ) کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے [5]

---

[1] حدائق الحقائق، مقدمہ مصنف کی ایک اور تفسیر بحر الدرر کے نام سے موسوم ہے دیکھیے حدائق الحقائق، تعارف از سید جعفر سجادی، [2] ایضاً

[3] عبد العلیم اصلاحی، قرآنی مخطوطات، مجلہ علوم القرآن جنوری تا جون ۱۹۸۶ء علی گڑھ

[4] نذیر احمد، حاشیہ قدیم فارسی تفسیر، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ۱۹۸۲ء، نیز ملاحظہ ہو مقدمہ بخشے از تفسیر کہن،

[5] عبد العلیم اصلاحی، قرآنی مخطوطات، مجلہ علوم القرآن جنوری تا جون ۱۹۸۶ء علی گڑھ

ترجمہ قرآن

دارالعلوم دیو بند کے کتب خانہ میں فارسی ترجمہ قرآن کا ایک مخطوطہ جہازی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، متن قرآن خط نسخ میں اور ترجمہ خط نستعلیق میں ہے اس پر مترجم کا نام درج نہیں ہے آخری صفحہ جو الناس کا ترجمہ ہے بعد میں کسی نے لکھ کر شامل کر دیا ہے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کلام پاک عبدالرضا بن مرحوم حاجی غلام محمد مارزندرانی نے ماہ رجب ۹۴۵ھ میں لکھا ہے اور نیچے کی سطر میں دوبارہ کاتب کا نام بایں طور رقم ہے "بید اقل عباد عبدالرضا بن حاجی جواد المراغہ فی شہر رجب المرجب ۹۸۴ھ" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ دسویں صدی ہجری کے نصف آخر میں لکھا گیا ہے یہ ترجمہ عام تراجم قرآن میں منفرد معلوم ہوتا ہے [1]

موئید الرحمان

اس کتاب کا پورا نام موئید الرحمان فی ترجمۃ القرآن ہے" اس کے مؤلف محمد بن حسین جمال الدین خوانساری اصفہانی ہیں، یہ تفسیر شاہ ایران نادر شاہ افشار کے حکم سے لکھی گئی، چونکہ نادر شاہ کا زمانہ حکومت ۱۷۳۶ء مطابق ۱۱۴۸ھ تا ۱۷۴۷ء مطابق ۱۱۶۰ھ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اسی عرصہ میں لکھی گئی، یہ تفسیر مختصر انداز کی ہے جس کے اندر ترجمہ ہے اور حاشیہ پر متن ہے یہ تفسیر ۱۸۹۳ء میں بمبئی سے شائع ہوئی ہے [2]

تفسیر قدیم

یہ ایک قدیم ترین تفسیر ہے جو غالباً غزنوی عہد میں لکھی گئی، اس کے مؤلف کا نام معلوم نہ ہو سکا، اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرہ شیرانی میں موجود ہے [3]

تفسیر تبیان سلیمانی

اس تفسیر کے مؤلف مرزا محمد ابن رضا القمی ہیں، یہ تفسیر شاہ سلیمان حسینی موسوی حیدری کے عہد سلطنت میں ائمہ اثنا عشریہ کی روایات اور علماء شیعہ کے طرز کے مطابق لکھی گئی ہے اور "تبیان سلیمانی" کے نام سے موسوم ہے اس

---

[1] جائزہ تراجم قرآنی ص۹ [2] پرشین لٹریچر ۱/۳۰ جائزہ تراجم قرآنی ص۹۸

[3] فہرست مخطوطات شیرانی، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور۔

تفسیر کا پہلا حصہ جو سورۃ فاتحہ سے لے کر سورہ المائدہ تک ہے کتاب خانہ سلطنت ایران میں موجود ہے، اس نسخہ کی کتابت محمد اشرف ابن محمد طبسی نے ۱۰۸۵ھ میں کی ہے [1]

تفسیر موضح

اس تفسیر کا پورا نام موضح المعانی ہے، اس کے مؤلف مولانا محمد علی الطہدی ہیں جو گیارہویں صدی ہجری کے علماء میں تھے ان کے حالات زندگی کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی [2]

تفسیر القمی

گیارہویں صدی ہجری کی نصف آخر میں ایک اور تفسیر کے لکھے جانے کا ثبوت ملتا ہے، یہ تفسیر القمی کے نام سے جانی جاتی ہے، اس کے مصنف محمد حسین بن محمد القمی تھے علماء شیعہ میں ممتاز مقام کے حامل تھے، قاضی سعید الحق القمی کے بھائی اور حکیم رجب علی تبریزی کے شاگرد تھے اعیان الشیعہ کے مؤلف لکھتے ہیں " لہ تفسیر القرآن فارسی کبیر یدل علی تبحرہ " [3] انھوں نے فارسی زبان میں ایک بڑی تفسیر لکھی جو ان کے علمی تبحر کی نشاندہی کرتی ہے

تفسیر نامعلوم المصنف

ایک اور تفسیر کی صرف ایک جلد کا قلمی نسخہ مولانا لائبریری قونیہ ترکی میں محفوظ ہے، جو سورہ آل عمران سے لے کر سورہ النساء کی تفسیر پر مشتمل ہے، یہ نسخہ ۲۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ہر آیت کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا گیا ہے جب کہ تفسیر عربی زبان میں کی گئی ہے، اس نسخہ کی کتابت ۸۸۴ھ میں ہوئی ہے، اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے [4]

تفسیر ملا صدرا

بعض تفاسیر ایسی بھی ہیں جو پورے قرآن کے بجائے صرف اجزاء قرآن یعنی اہم سورتوں کی تشریح و تفسیر پر مشتمل

---

[1] بدری آتابائی، فہرست کتب دینی و مذہبی خطی کتاب خانہ سلطنتی ص۱۷۳، تہران ۱۳۵۲ھ، [2] فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی، پاکستان، [3] اعیان الشیعہ ۴۴/۲۶۹

[4] معجم مصنفات القرآن الکریم ۲/۲۱۹

ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم تفسیر منطق و فلسفہ کے امام ملا صدر الدین شیرازی م ۱۰۵۰ھ کی ہے۔ جو ملا صدرا کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی سورہ یٰسین سورہ نور، سورہ یوسف، سورہ واقعہ اور سورہ جمعہ کی تفاسیر اب بھی دستیاب ہیں۔ ان میں سے سورہ واقعہ اور سورہ جمعہ کی تفسیریں راقم کی نظر سے گذری ہیں جن کو محمد خواجوی نے تحقیق و تعلیق سے مزین کیا ہے [1] ملا صدرا نے مکمل تفسیر کا ارادہ کیا تھا مگر اس کا ان کو موقع نہ مل سکا۔

تنویر الاذہان من تفسیر روح البیان

ان کے علاوہ بعض تفاسیر ایسی بھی ہیں جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ایک ساتھ لکھی گئیں، مثال کے طور پر شیخ اسماعیل حقی بن مصطفی استانبولی م ۱۱۳۷ھ نے تفسیر روح البیان میں یہی طریقۂ تفسیر اختیار کیا ہے، لیکن ۱۴۰۴ھ میں شیخ محمد علی الصابونی نے "تنویر الاذہان من تفسیر روح البیان" کے نام سے اس تفسیر کی تلخیص کی۔ تو فارسی کا حصہ حذف کر دیا [2]

---

[1] تفسیر سورہ واقعہ از ملا صدرا تعلیق محمد خواجوی، خیابان انقلاب ۱۴۰۴ھ

[2] تنویر الازھان من تفسیر روح البیان، مقدمہ دار القلم۔ دمشق ۱۹۸۹ء

فارسی تراجم و تفاسیر ہندوستان میں

غرائب القرآن ورغائب الفرقان

ایران اور ماوراء النہر کے مقابلہ میں ہندوستان میں قرآن کریم کے فارسی ترجمہ اور تفسیر کی روایت بہت زیادہ قدیم نہیں ہے [1] اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے غالب حصہ میں اسلام کی اشاعت ہی مذکورہ ممالک کی نسبت بعد میں ہوئی ہے بلکہ انہی ممالک کے علماء اور مبلغین نے ہندوستان میں بالعموم اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی سرکاری زبان اگرچہ فارسی تھی مگر علمی زبان عربی تھی اسی لیے فارسی کے مقابلہ میں عربی زبان کو زیادہ علماء نے اپنی علمی سرگرمیوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی کی تفسیر "بحر مواج" بلاشبہ ایک عظیم تفسیری کارنامہ ہے اور اہل علم اسے الکشاف کا ہم پلہ سمجھتے ہیں مگر یہ ہندوستان کی درس گاہوں میں داخل نصاب نہ ہو سکی، اس کی وجہ تذکرہ نگار اس کا فارسی زبان میں ہونا بتاتے ہیں [2] یوں بھی عربی زبان کو جو اہمیت اور فضیلت حاصل ہے اس کے پیش نظر اس زبان کو ذریعہ اظہار بنانا کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں قرآن کی فارسی تفسیر کی روایت آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ اور پہلی تفسیر غالباً "غرائب القرآن ورغائب الفرقان" ہے اس کے مؤلف حسن بن محمد ہیں جو نظام نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا اصل وطن نیشاپور تھا، وہاں انھوں نے اپنی تفسیر کی ابتدا کی پھر محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہندوستان منتقل ہو گئے اور دولت آباد میں قیام کیا، یہیں انھوں نے ۷۳۰ھ مطابق ۱۳۲۹ء

---

[1] ڈاکٹر زبید احمد کا خیال ہے کہ "قرآنیات کے سلسلہ میں ہم ہندوستان میں لکھی گئی چند ہی فارسی تفاسیر پاتے ہیں اسٹوری کی کتاب پرشین لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی موضوعات پر ہندوستان میں بیس کے قریب کتابیں فارسی میں لکھی گئیں اور ان میں سے صرف چار یا پانچ قرآن کریم کی مکمل تفسیریں ہیں" ملاحظہ ہو۔ The Contribution of Indo Pakistan to Arabic Literature, Introduction

یہ خیال درست نہیں جیسا کہ ہندوستان میں لکھی گئی فارسی تفاسیر کے اس جائزہ سے معلوم ہوگا۔

[2] غوثی شطاری، گلزار ابرار ص ۴۳ اردو ترجمہ فضل احمد جیوری لاہور ۱۳۹۵ھ۔

میں اس تفسیر کی تکمیل کی [1] یہ تفسیر اگرچہ عربی میں ہے لیکن آیات کا ترجمہ فارسی میں ہے، یہ تفسیر بہت سی فنی خوبیوں سے معمور ہے [2]

تفسیر تاتارخانی

آٹھویں صدی ہجری کی ایک اہم تفسیر جو تفسیر تاتارخانی کے نام سے موسوم ہے، فیروز شاہ تغلق کے مشہور وزیر امیر تاتارخان کے ایماء پر مرتب کی گئی، وزیر موصوف نے فتاوی تاتارخانی بھی مرتب کرایا تھا، [3] اس تفسیر کے لیے انھوں نے علماء کی ایک مجلس تشکیل دی اور ان کو ہدایت کی کہ ایک ایسی تفسیر مرتب کریں جو ساری تفاسیر کا خلاصہ ہو، چنانچہ اسی نہج پر یہ تفسیر لکھی گئی، امیر تاتارخاں خود بھی اس کام میں دل و جان سے شریک ہوتا، مفسرین کے جتنے اقوال آیت کی تفسیر میں تھے ان سب کو اس میں جمع کیا جاتا اور ہر اختلاف اور توجیہ کو حوالہ کے ساتھ نقل کیا جاتا، جب یہ تفسیر مکمل ہو گئی تو اسے تاتارخاں نے تفسیر تاتارخانی کا نام دیا، شمس سراج عفیف کے بقول "جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ" [4]

تفسیر نوربخشا

یہ ایک بزرگ عالم دین میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تالیف ہے، مؤلف کا وطن اصلی سمنان (ایران) تھا، محمد تغلق کے عہد حکومت میں وہاں سے منتقل ہو کر ہندوستان آئے اور متعدد علماء و مشائخ کی صحبت اختیار کی، شیخ علاء الحق بنگالی کے خلیفہ ہوئے، سیر و سیاحت میں زیادہ وقت گزارا، آخر میں کچھوچھ شہر میں سکونت اختیار کی، ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے، یہ تفسیر غالباً ہندوستان میں لکھی گئی یا ہندوستان کے سفر کے دوران لکھی گئی [5]

---

[1] تفسیر کی خصوصیات اور مصنف کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کشف الظنون دوم ص ۹۶-۱۹۵، تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۸۷-۲۸۱ مولفہ غلام احمد حریری۔ [2] دائرہ معارف اسلامیہ ۴/۵۳، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت حاشیہ ۱/۱۴۲

[3] اس کے مرتب مولانا عالم دہلوی ملقب بہ فرید الدین تھے، انکو متعدد علوم پر تبحر حاصل تھا۔ گلزار ابرار ص ۴۹۳ اردو۔

[4] تاریخ فیروز شاہی ۳۹۲، نزہۃ الخواطر ۲/۱۹-۱۸۰ [5] اخبار الاخبار ص ۱۷۲، تذکرہ علماء ہند ص ۳۳، نزہۃ الخواطر سوم ص ۳۳-۳۲، گلزار ابرار ص ۱۴۵ اردو ترجمہ، خزینۃ الاصفیاء ۱/۳۶۹، مذکورہ دونوں تفاسیر کا تذکرہ عربی تفاسیر کے ضمن میں بھی بعض حضرات نے کیا ہے چونکہ ان کے نسخے دستیاب نہیں ہیں اس لئے زبان کا فیصلہ ممکن نہیں۔

بحر المعانی

یہ مولانا محمد بن احمد خواجگی متوفی ۸۵۰ھ/۱۴۴۶ء کی تفسیر ہے، مولانا خواجگی مولانا معین الدین عمرانی اور شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے شاگرد اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے، ایک عرصہ تک دہلی میں تدریس و تصنیف کے ذریعہ دینی علوم کی اشاعت میں لگے رہے آخر میں تیموری حملہ سے پہلے ملک العلماء کو لے کر کالپی (جالون) چلے گئے، وہیں وفات پائی [1]

بحر المعانی ایک مختصر تفسیر ہے جس میں علم کلام کے مباحث بھی ملتے ہیں، بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ یہ فضل بن حسن طبرسی م ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء کی تفسیر مجمع البیان کا خلاصہ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے [2]

بحر مواج

یہ تفسیر ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر ہے، یہ اپنے عہد کی ممتاز تفسیر ہے اور زبان و بیان کی خوبیوں سے معمور ہے، اس میں لغوی اور نحوی و صرفی مباحث پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ سورتوں کے درمیان ربط و تعلق بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ہر سورۃ کے مضامین کا خلاصہ بھی بیان کیا گیا ہے، یہ تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے اور سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے نام معنون ہے، قاضی صاحب علوم دینیہ پر عبور رکھتے تھے، سلطان ابراہیم نے ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا تھا، ان کی بہت سی تصانیف فقہ اور نحو سے متعلق معروف ہیں ان میں شرح کافیہ، کتاب الارشاد اور شرح اصول بزدوی اہم ہیں۔ قاضی عبد المقتدر دہلوی اور مولانا خواجگی (تلامذہ مولانا معین الدین عمرانی) ان کے اساتذہ تھے، ۲۵ رجب ۸۴۹ھ مطابق ۱۴۴۵ء میں وفات پائی، جونپور میں مسجد اٹالہ کے جنوب میں آپ کی آرام گاہ ہے [3] بحر مواج لکھنؤ سے ۱۲۹۶ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے قلمی نسخے بھی بکثرت دستیاب ہیں [4] شیخ منور بن عبد المجید م ۱۰۱۰ھ نے قلعہ گوالیار میں اسیری کے زمانے میں اس تفسیر کا عربی میں ترجمہ کیا تھا جو

---

[1] سبحۃ المرجان ص ۹۵، تذکرہ علماء ہند ص ۲۳، نزہۃ الخواطر سوم ص ۱۴۳۔ [2] ڈاکٹر ظفر الاسلام، عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں۔ مجلہ علوم القرآن علی گڑھ جولائی دسمبر ۱۹۸۵ء، نیز دیکھیے ہندوستان میں علوم قرآنیہ کے غیر مطبوعہ مخطوطات

[3] سبحۃ المرجان ص ۹۶، تذکرہ علماء ہند ص ۸۹-۹۸، اخبار الاخیار ص ۱۹۶-۹۷، تذکرۃ المفسرین ۱/۲۱-۱۹۰، خزینۃ الاصفیاء ۱/۳۹۱۔ [4] راقم کے سامنے بحر مواج کے قلمی اور مطبوعہ دونوں نسخے ہیں۔ بحر مواج کے سلسلے میں مزید تفصیلات میری زیر طبع کتاب "ہندوستانی مفسرین اور ان کی فارسی تفسیریں" میں ملیں گی۔

ضبط کر لیا گیا[1] بعض محققین کا خیال ہے کہ شیخ منور نے بحر مواج پر اعراب لگائے تھے[2] مگر یہ درست نہیں کیونکہ وہ فارسی زبان میں ہے۔

تفسیر نور النبیؐ

اس تفسیر کے مولف خواجہ حسین ناگوری متوفی ۹۰۱ھ/۱۴۹۵ء میں جو خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے مؤلف نے قرآن کے تیسوں پاروں کی الگ الگ اجزا میں تفسیر لکھی ہے اس تفسیر میں آیات کی تشریح عام اور سہل انداز میں کی گئی ہے عبارت کا تجزیہ کیا گیا ہے اور لغوی و صرفی تحقیق کی گئی ہے۔ دوسری تفسیروں کے معانی و مطالب کو جمع کیا گیا ہے۔ تفسیر نور النبیؐ ان خصوصیات کے لحاظ سے ایک اہم تفسیر ہے[3] ڈاکٹر سالم قدوائی نے اس تفسیر کو عربی تفاسیر کی فہرست میں شامل کیا ہے[4] جب کہ یہ حقیقۃً طور پر فارسی میں ہے۔

تفسیر سیر النبیؐ

یہ مولانا معین الدین واعظ ہروی (بعدہٗ ہندی) کی مکمل تفسیر ہے، اس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تفسیر کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے، یعنی قرآن کے آئینہ میں سراپائے رسول کو دکھایا گیا ہے، حضرت عائشہؓ کے بقول "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا" اس لحاظ سے یہ تفسیر ایک اچھی کوشش ہے، مصنف کا بیان ہے کہ "جب میں تفسیر سیر النبی لکھ رہا تھا تو بسم اللہ کی ب سے الناس کی سین تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ لمحہ بھر کے لیے بھی نگاہ سے دور نہیں ہوا"[5] بعض اہل علم کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ مصنف نے سنت رسولؐ کی کامل پیروی کی ہے جب کہ بعض کہتے ہیں کہ مصنف کی نگاہوں میں فی الواقع سراپائے رسول موجود تھا[6]

---

[1] گلزار ابرار (اردو) ص۴۷۴، [2] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص۱۹۳

[3] تذکرہ علمائے ہند ص۸۸-۸۹ اخبار الاخیار ص۱۸۸، نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص۹۲،

[4] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص۱۸

[5] گلزار ابرار ص۲۱۲ اردو ترجمہ

[6] ایضاً۔ اس انداز کی ایک اور تفسیر عربی میں شیخ حاجی عبد الوہاب حلمی م ۹۳۲ھ نے لکھی تھی، حاجی عبد الوہاب سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے چچا زاد بھائی تھے اور سید صدر الدین بخاری کے شاگرد تھے دو مرتبہ حج کعبہ کا شرف حاصل کیا تھا سلطان سکندر لودھی ان کا معتقد تھا، اخبار الاخیار ص۲۲۱

لب الفوائد

یہ ایک مکمل تفسیر ہے ترجمہ سلیس فارسی میں ہے، مختصر مگر ضروری تشریح ہے، اس تفسیر کے لکھتے وقت خلاصۃ المنہج کو سامنے رکھا گیا ہے، مصنف کا نام معلوم نہیں البتہ آخر میں یہ عبارت ہے "تم هذا الكتاب المسمى بلب الفوائد الذی رتب بامر من هو شمس سماء الرفعة والعزة والمعالی شیخت پناہ شیخ محمد معصوم جیو حفظہ اللہ تعالیٰ من الآفات" شیخ محمد معصوم مجدد الف ثانی کے صاحب زادہ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے معاصر تھے۔ تفسیر کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے، یہ نسخہ بڑی تقطیع کے گیارہ سو اکانوے صفحات پر مشتمل ہے، کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے[1]

تفسیر شیرازی

یہ حکیم فتح اللہ شیرازی م ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء کی تالیف کردہ مشہور تفسیر ہے، مؤلف ایک معروف شیعی عالم تھے، منطق و فلسفہ میں خصوصی مہارت ان کو حاصل تھی، عادل شاہ بیجاپوری کی کوششوں سے شیراز سے بیجاپور آئے اور ان کی وفات کے بعد آگرہ چلے گئے، دربار اکبری میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہوئی اور صدر العلماء کے منصب تک پہونچے، اس تفسیر کا کوئی الگ سے نام نہیں ہے نزہۃ الخواطر کے مؤلف نے اس کا نام منہج الصادقین لکھا ہے، مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ منہج الصادقین ایک دوسرے شیعی عالم فتح اللہ بن شکور اللہ کاشانی م ۹۷۸ھ کی تالیف ہے جو الزواری کے شاگرد تھے، یہ تفسیر تہران سے ۱۳۴۴ شمسی میں شائع ہو چکی ہے، اس پر حاجی مرزا ابو الحسن شعرانی کا مقدمہ بھی ہے[2]

راز معرفت

یہ سندھ کے ایک عالم لطف اللہ بن نعمت اللہ نوح ہالائی م ۹۹۸-۹۹ھ کا فارسی ترجمہ ہے، اس ترجمہ کا آغاز ۲۰ شعبان ۱۰۱۱ھ میں ہوا اور اختتام صفر ۱۰۱۳ھ میں ہوا، اس ترجمہ کی تصحیح اور اشاعت کا کام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے کیا ہے ان کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی ہے[3]

---

[1] ملاحظہ ہو لب الفوائد (قلمی)، سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری اے، ایم، یو علی گڑھ اندراج نمبر ۲۹۷/۱۱۲ / ۲۵

[2] منتخب التواریخ ج۳ ص۳۱۵، نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص۲۵۴-۵۵، منہج الصادقین، مطبوعہ تہران ۱۳۴۴ء۔ [3] راز معرفت، تعارف

تفسیر جاناں بیگم

عبدالرحیم خان خاناں کی صاحب زادی اور شاہزادہ دانیاں کی بیوی جاناں بیگم سے ایک فارسی تفسیر کی تالیف منسوب کی جاتی ہے، مگر اس کے بارے میں دیگر ماخذوں سے کوئی مدد نہیں ملتی [1]

تفسیر یعقوب صرفی

یعقوب صرفی کشمیری ولادت ۹۰۸ھ وفات ۱۰۰۳ھ ممتاز عالم اور صوفی تھے، دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور مولانا محمد (شاگرد ملا جامی) سے تحصیل علم کیا، ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کے معاصر تھے، شیخ ابن حجر مکی الہیثمی سے بھی حدیث میں استفادہ کیا تھا، موصوف نے ایک تفسیر لکھنا شروع کی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ا، کی وفات ہوگئی [2] ان کی تصانیف میں سلک الاخیار، وامق، عذرا، لیلیٰ مجنوں، مغازی النبوۃ، مقامات مرشد، مناسک حج، شرح بخاری اور حاشیہ توضیح تلویح وغیرہ ہیں [3]

تفسیر مرتضوی

یہ تفسیر ۱۶۰۷ء یعنی عہد جہانگیری میں نواب مرتضیٰ خاں سید فرید بخاری م ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء کے حکم سے لکھی گئی اس کے مؤلف شیخ زین العابدین شیرازی تھے، یہ تفسیر تفسیر مرتضوی کے نام سے معروف ہے [4]

شرح القرآن معینی

اس تفسیر کے مؤلف مولانا معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندی تھے، یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء کے شاگرد تھے، نقشبندیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور فقہ حنفی کے ممتاز عالم تھے، کشمیر میں پیدا ہوئے اور کشمیر ہی میں ۱۰۸۵ء وفات پائی، انھوں نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں الگ الگ تفسیر لکھی، عربی تفسیر زبدۃ التفاسیر کے نام سے موسوم ہے اور فارسی تفسیر "شرح القرآن معینی" کے نام سے۔ فارسی تفسیر کی تکمیل ۱۰۷۱ھ تا ۱۰ محرم ۱۰۷۲ھ کے درمیان ہوئی۔ یہ مختصر تفسیر ہے، دیباچہ کے بعد قرآن کے فقہی مسائل، سورتوں کی تعداد، رجب اور فضائل قرآن

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۱۲۲-۲۳ ، [2] نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص ۳۹۴، جائزہ تراجم قرآنی ص ۹۳، منتخب التواریخ ۲/۲۰۳ ، [3] خزینۃ الاصفیاء ۲/۳۴۲ ، [4] نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۴۰۱-۰۳

کا ذکر ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانہ داتا گنج بخش لاہور میں ہے [1]

تفسیر نظامی

مغلیہ عہد حکومت کی یہ معروف و مشہور تفسیر ہے، اس کے مؤلف شیخ نظام الدین بن عبدالشکور تھانیسری م ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء ہیں، مؤلف کو عقلی اور نقلی جملہ علوم میں کمال حاصل تھا، اکبر بادشاہ کی ناراضگی کی وجہ سے ہندوستان چھوڑ کر بلخ چلے گئے، اور وہیں وفات پائی [2] بعض تذکرہ نگاروں نے اس تفسیر کا نام ریاض القدس بھی لکھا ہے، یہ تفسیر بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس میں تصوف کا رنگ بھی جا بجا دکھائی دیتا ہے [3]

تفسیر جہانگیری

مولانا عبدالحی م ۱۳۴۱ھ نے الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند میں ایک اور فارسی تفسیر کا تذکرہ کیا ہے جو عہد جہانگیری میں لکھی گئی، اس کے مؤلف شیخ نعمت اللہ بن عطا نارنولی فیروزپوری تھے ان کی یہ تفسیر، تفسیر جہانگیری کے نام سے معروف ہے، تذکرہ نگار نے سنہ تالیف ۱۰۶۳ء لکھا ہے جو اورنگ زیب کا ابتدائی زمانہ ہے، [4]

تفسیر شاہ

یہ شاہ محمد بن عبد محمد م ۱۰۷۲ھ کی تالیف ہے، اس تفسیر کی تکمیل ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء میں ہوئی، مؤلف ۱۶۱۴ء میں اپنے آبائی وطن بدخشان سے منتقل ہو کر ہندوستان آئے اور پہلے لاہور پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی ان کو لسان اللہ کہا جاتا تھا [5] اسٹوری کی صراحت کے مطابق یہ تفسیر کچھ عربی اور کچھ فارسی میں ہے [6] لیکن ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور خدا بخش لائبریری پٹنہ کے فہرست نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکمل فارسی میں ہے۔

---

[1] قاضی محمد عمران خاں، معین الدین کشمیری اور ان کی تصانیف، معارف مارچ ۱۹۷۶ء اعظم گڑھ، نیز دیکھیے فہرست نسخہ ہائی خطی کتاب خانہ داتا گنج بخش ص ۵

[2] تذکرہ علماء ہند ص ۲۴۱، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۱-۰۲، نزہۃ الخواطر پنجم ص ۴۱۶-۱۸ ، پرشین لٹریچر اول ص ۱۸

[3] عارف نوشاہی نے اپنی فہرست مخطوطات میں اس کا نام ریاض القدس لکھا ہے۔ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ص ۶ اسلام آباد ۱۹۸۳ء ، [4] الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۶۵

[5] نزہۃ الخواطر ۵/۴۰۱ ، [6] پرشین لٹریچر ۱/۱۹ ، ۸۰

تفسیر علی رضا

عہد شاہجہانی کی یہ تفسیر علی رضا شیرازی کی تصنیف ہے مؤلف ایک ہندوستانی عالم تھے آخری عمر میں شیراز منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی، مؤلف چونکہ شیعی مذہب کے ماننے والے تھے اس لیے اس تفسیر میں بھی شیعی نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے [۱]

تفسیر امینی

یہ تفسیر اورنگ زیب عالمگیرؒ کے ایماپر محمد امین صدیقی علوی م ۱۱۱۹ھ نے مرتب کی تھی یہ نہایت مختصر تفسیر ہے اور جلالین کے طرز پر لکھی گئی ہے مؤلف کے پیش نظر تفسیر حسینی (واعظ کاشفی) رہی ہے یہ ۵۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری میں موجود ہے [۲]

ترجمہ قرآن

دانش لائبریری مئو ناتھ بھنجن (یوپی) میں قرآن کا ایک فارسی ترجمہ موجود ہے، اس پر کہیں کہیں ضروری حواشی بھی ہیں۔ اس ترجمہ کی موجودہ جلد بندی ۱۹۷۳ء میں ہوئی ہے، مگر اس کے جلد کے اندرونی صفحہ اور درمیان قرآن میں بھی ایک جگہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ ترجمہ ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۲۶ء بعہد اورنگ زیب کا ہے ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے ترجمہ اور کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا یہ ترجمہ ابتداء قرآن سے سورۃ بلد تک کا ہے [۳]

نعمت عظمیٰ

یہ عالمگیری عہد کی ایک اہم فارسی تفسیر ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون ہے، اس کے مؤلف مرزا نوراللہ (۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء) ہیں جن کو عالمگیر نے نعمت خاں کا لقب دیا تھا، یہ تفسیر ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء میں مکمل ہوئی، یہ تفسیر دو حصوں میں تقسیم ہے پہلا حصہ ابتدائی سولہ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے اور دوسرے حصہ میں بقیہ تمام سورتوں کی تفسیر ہے اس میں لغوی اور نحوی بحثیں بھی کی گئی ہیں [۴]

تفسیر ابوالمجد

یہ احمد آباد گجرات کے مشہور بزرگ سید محمد ابوالمجد محبوب عالم کی تفسیر ہے، مؤلف کے والد سید محمد جعفر بدر عالم

۱؎ ڈاکٹر ظفر الاسلام، عہد وسطی کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں، مجلہ علوم القرآن جولائی دسمبر ۱۹۸۵ء، علی گڑھ

۲؎ جائزہ تراجم قرآنی ص۹۵، ۳؎ دیکھیے ترجمہ قرآن (قلمی) ہگ پرشین لٹریچر اول ص۱۹،

م ۱۰۸۵ھ بھی نامور عالم تھے، مؤلف نے دینی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ قرآن کریم کی دو تفسیریں عربی اور فارسی میں الگ الگ لکھیں، فارسی تفسیر اہل بیت کی بیان کردہ روایات پر مشتمل ہے اور عربی تفسیر جلالین کے طرز پر ہے ۱۱۱۱ھ میں مصنف نے احمد آباد میں وفات پائی [۱]

زیب التفاسیر

عہد عالمگیری کی سب سے معروف اور اہم تفسیر زیب التفاسیر کے نام سے موسوم ہے جسے شہزادی زیب النساء (ولادت ۱۰۴۸ھ وفات ۱۱۱۳ھ) کی فرمائش پر صفی بن ولی قزوینی کشمیری نے تالیف کیا تھا، یہ ایک مبسوط تفسیر ہے اور کئی جلدوں میں ہے [۲] اس کی پانچویں جلد کا ایک قلمی نسخہ جو برٹش میوزیم میں ہے سورہ انفال سے سورہ یوسف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر کتنی مفصل ہوگی۔ اس جلد کا سن تالیف ۱۰۸۱ھ ہے، مؤلف کی وضاحت کے مطابق آخری جلد کی تکمیل ۱۰۸۷ھ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے اسے امام رازی کی تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ قرار دیا ہے مگر دوسرے ناقدین اس سے متفق نہیں، اس تفسیر کے ماخذوں میں تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی، بحر مواج اور تفسیر نیشاپوری وغیرہ ہیں [۳]

تفسیر القرآن

عہد عالمگیری کے ایک اور فارسی ترجمہ و تفسیر قرآن کا تذکرہ ملتا ہے، اس تفسیر کا آغاز حسن ابدال میں ہوا اور اختتام دکن میں، اس کے ابتدائی صفحہ پر عالمگیرؒ اور سید علی خاں جواہر رقم کی مہریں ثبت ہیں، ان مہروں پر بالترتیب ۱۰۸۹ھ اور ۱۰۹۷ھ کندہ ہے، اس تفسیر کا صرف ایک ہی جزء باقی رہ گیا ہے جو سورہ یونس تا سورہ عنکبوت کی تفسیر ہے ناقص ہونے کی وجہ سے مؤلف کا نام دریافت نہ ہو سکا [۴]

تفسیر خلاصہ

اس تفسیر کا ایک ہی حصہ موجود ہے جو سورہ مریم سے لے کر سورہ الناس تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، پہلا حصہ

۱؎ تذکرہ علماء ہند ص۲۱۴

۲؎ فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش ص۳۶، ۳؎ شاہ معین الدین ندوی، انیس الحجاج ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جنوری ۱۹۶۴ء انیس الحجاج نقل ۹۲ ریسرچ لائبریری شعبہ تاریخ اے ایم یو علی گڑھ، ہدیۃ العارفین ۳۷۵/۱، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، پرشین لٹریچر اول ص۱۹، نزہۃ الخواطر ۵/۴، ۴؎ جائزہ تراجم قرآنی ص۹۷

دریافت نہ ہونے کی وجہ سے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا، موجودہ نسخہ کی کتابت عبداللہ ہرسپوری کانے ۱۰۶۹ھ میں کی [1]

ترجمہ مخدوم

میر سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت م ۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء کی طرف قرآن کریم کا ایک فارسی ترجمہ منسوب کیا جاتا ہے، اس ترجمہ پر سنہ تالیف اور سنہ کتابت درج نہیں ہے اول و آخر کے صفحات غائب ہیں، ترجمہ کے علاوہ مختصر تفسیر بھی ہے یہ نسخہ مولوی احسان الحق مرادآبادی کے پاس تھا محمد ایوب قادری صاحب نے احسان الحق کے تایازاد بھائی سلطان الحق کے زبانی حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حضرت مخدوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مگر کسی اور ماخذ سے اس کی تصدیق و تائید نہیں ہو سکی ہے کہ یہ مذکورہ بزرگ ہی کا ترجمہ ہے، البتہ قادری صاحب نے رسم الخط اور کاغذ وغیرہ کی بنیاد پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نسخہ آٹھویں صدی ہجری کا ہو سکتا ہے [2]

تفسیر قرآن

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی لائبریری میں ایک فارسی تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے [3] یہ تفسیر ابتداء قرآن سے سورۃ الکہف تک ہے، اس میں ۴۴۴ اوراق یعنی ۸۸۸ صفحات ہیں یہ تفسیر بڑے سائز پر ہے ابتدا کے ۵ اوراق غائب ہیں اس لیے مصنف کا نام اور سنہ تالیف نہ معلوم ہو سکا البتہ یہ یقینی ہے کہ یہ تفسیر نویں صدی ہجری کے بعد لکھی گئی ہے کیونکہ اس میں واعظ کاشفی کی تفسیر جواہر التفسیر کا حوالہ ملتا ہے [4] اور کاشفی کا سنہ وفات ۹۱۰ھ ہے اس تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف مسلکاً حنفی اور مشرباً صوفی تھے کیونکہ تفسیر میں جابجا امام ابوحنیفہ اور صوفیاء کے اقوال اور ارشادات کو نقل کیا گیا ہے، بلکہ تفسیر میں صوفیانہ رنگ و آہنگ غالب نظر آتا ہے [5] اس تفسیر کی دوسری جلد دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اور جلد اول کے ناقص ہونے کی بنا پر بعض ضروری معلومات مفقود ہیں۔

ترجمہ قرآن

دارالعلوم دیوبند کے ذخیرہ مخطوطات میں ایک فارسی ترجمہ قرآن بھی ہے، جو جس میں متن قرآن ہے اور

---

[1] ایضاً ص ۹۵ ، [2] مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۶۲ ، [3] تفسیر قرآن (قلمی) لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اندراج ع ۳۵۶ A ، [4] ایضاً ورق ع ۲۴

[5] ملاحظہ ہو و من احسن من اللہ، صبغۃ کی تفسیر، ورق ع ۲۴

بین السطور میں ترجمہ فارسی ہے، حاشیہ پر ملا واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی ہے مترجم کا نام معلوم نہیں مخطوطہ کی کتابت سنہ ۱۰۸۵ھ کی ہے، کاتب ملا یعقوب عنایت خاں غباری ملتانی ہیں [1]

ترجمہ قرآن

ایک اور ترجمہ قرآن کا مخطوطہ کتب خانہ روضہ گلبرگہ میں موجود ہے۔ اس پر نہ تو مصنف کا نام درج ہے اور نہ سنہ کتابت، اس کے آخر میں شاہ اسد اللہ حسینی کی مہر ثبت ہے ۱۱۔۱۲۔ اور ۱۱۔۱۳ کا عدد لکھا ہوا ہے جو تاریخ نہیں ہے ورنہ ایک ہی صدی کے فاصلہ کی دو تاریخوں کا ہونا بے معنی معلوم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے یہ کوئی علامتی عدد ہو [2]

ترجمہ ابن عاقل

قرآن کریم کے فارسی ترجمہ کا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے، اس نسخہ پر ابن عاقل کا نام لکھا ہوا ہے، مؤلف کے نام کی صراحت اور سنہ کتابت درج نہیں ہے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ ابن عاقل اس ترجمہ کے صرف ناقل ہیں یا مولف بھی وہی ہیں [3]

تفسیر توضیح

اس تفسیر کے مصنف نے بھی اپنا نام نہیں لکھا ہے البتہ مقصد تصنیف بیان کرتے ہوئے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "نبشتہ شدہ است برائے فہم مبتدیاں و نفع عامہ مومناں" اس تفسیر کی تالیف میں کشاف، تفسیر زاہدی اور تفسیر ابو قتیبہ دینوری کا سے مدد لی گئی ہے، اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے جو سولہویں صدی عیسوی کا ہے [4]

ترجمہ سید محمد بخاری

میر سید محمد بخاری رضوی نے جہانگیر بادشاہ کی فرمائش پر قرآن کا فارسی ترجمہ کیا تھا [5] نواب صمصام الدولہ

---

[1] جائزہ تراجم قرآنی ص ۹۶ ، [2] ایضاً ص ۹۶ ، [3] جائزہ تراجم قرآنی ص ۱۰۱

[4] Abdul Muqtadir Catalogue of the Arabic and persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankypur, Patna, 1928 p. 25

[5] عبدالحی لکھنوی، یاد ایام ص ۱۰۳ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج ۱۹۱۹ء

شاہ نواز خاں م ۱۱۷۱ھ نے لکھا ہے کہ "ترجمہ قرآن شریف بعبارت خوب ترتیب دادہ است"۔[1] مصنف کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے حضرت شاہ عالم[2] سے ملتا ہے، جن کی خانقاہ کے وہ سجادہ نشین تھے، مؤلف فقر و توکل میں بے مثال تھے جہانگیر کے ان سے نیازمندانہ مراسم تھے۔ ان کی تاریخ ولادت اس مصرع سے مشہور ہے
ع "من و دست و دامان آل رسول" ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی، روضہ شاہ عالم کے مغربی دروازہ سے متصل مدفون ہیں
کہا جاتا ہے کہ ان کا اور ان کے آباء و اجداد کا مسلک امامیہ ہے[3]

تفسیر سید محمد رضوی

سید محمد بن جعفر بن جلال بن سید محمد بخاری کار رضوی کی دو تفسیروں کا تذکرہ ملتا ہے ایک عربی زبان میں جلالین کے طرز پر، دوسری فارسی زبان میں، فارسی تفسیر اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں اہل بیت علیہم السلام کی روایات کی مدد سے تفسیر کی گئی ہے، ان کی ایک اور تصنیف زینۃ النکاۃ فی شرح المشکوۃ کا تذکرہ ملتا ہے۔ مؤلف سید محمد بخاری کار رضوی کے پڑپوتے تھے[4]۔ فضل و کمال میں اپنے سلف کے جانشین تھے مدۃ العمر تصنیف و تدریس میں بسر کی ۱۱۱۱ھ میں وفات پائی[5]

تفسیر منظوم

کتاب خانہ داتا گنج بخش لاہور میں قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس میں سید محمد نور بخش ۷۹۵-۸۶۹ھ کی منظوم تفسیر کو نقل کیا گیا ہے[6]

تفسیر منظوم

شاہ غلام محی الدین سرہند کے بزرگ زادوں میں سے تھے حافظ رحمت خاں م ۱۱۸۸ھ کے زمانہ میں شہر بریلی آئے اویسی نسبت رکھتے تھے قرآن کریم کے اٹھارہ سیپاروں کی تفسیر منظوم لکھی ہے[7]

---

[1] ماثر الامراء، ۳/۴۴۸، کلکتہ ۱۸۹۱ء ، [2] شاہ عالم کے حالات کے لیے دیکھیے، تاریخ صوبیائے گجرات ص ۱۹۰ تا ص ۲۰۳، مؤلفہ ظہور الحسن شارب، جمیل اکیڈمی احمد آباد، [3] ماثر الامرا ۳/۴۴۸ .

[4] یاد ایام ص ۸ [5] فہرست نسخہ ہائی خطی کتاب خانہ داتا گنج بخش ص ۲۷

[6] عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ ص ۳۴۵ مؤلف کے صاحب زادے مولوی نذیر الدین حسن ہیں جن کی کتاب معدن فیوض فن صرف و نحو میں بہت مشہور ہے

دوسرا باب

شاہ ولی اللہؒ کے حالاتِ زندگی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ولادت اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال قبل ۴ شوال المکرم بروز بدھ ۱۱۱۴ھ کو بوقت صبح قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی[1] شاہ صاحب کی ولادت کے وقت ان کے والد شیخ عبدالرحیم کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ صاحب کے دوستوں نے ان کا تاریخی نام عظیم الدین نکالا ہے مگر اس سے جو تاریخ برآمد ہوتی ہے وہ ۱۱۱۴ھ کے بجائے ۱۱۱۵ھ ہے، شاہ صاحب کا مشہور نام ولی اللہ بن عبدالرحیم ہے اور اسی نام سے اپنی بیشتر کتابوں میں اپنے آپ کو شاہ صاحب نے موسوم کیا ہے[2] تاہم ان کی بعض تالیفات سے کئی اور ناموں کی نشاندہی ہوتی ہے مثلاً عبداللہ، احمد اور قطب الدین[3] مگر ان ناموں سے وہ معروف نہیں ہوئے بعض تذکرہ نگار حضرات لکھتے ہیں کہ احمد نام ابوالفیاض کنیت ولی اللہ عرف بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین مشہور ہے[4] لیکن شاہ صاحب کی بعض دوسری صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین احمد ایک ہی نام ہے[5] جہاں تک کنیت کا تعلق ہے شاہ صاحب کی معروف کنیت اپنے بیٹے محمد کے نام پر ابو محمد ہے[6] نیز ابوالعزیز بھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے[7] قطب الدین کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ شاہ صاحب کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ م ۶۳۴ھ کے مزار پر مراقب ہوئے۔ خواجہ قطب الدین نے شیخ عبدالرحیم کو لڑکا تولد ہونے کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا مگر ولادت کے وقت یہ بات ذہن سے اتر گئی اور جب یاد آئی تو شاہ صاحب کا دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا گیا۔ یہ واقعہ شاہ صاحب کی خود نوشت سوانح حیات و سوانح اجداد و مشائخ کے مجموعہ انفاس العارفین، مجموعہ ملفوظات التفہیمات الالٰہیہ اور القول الجلی میں مذکور ہے[8] بعد کے تمام تذکرہ نگاروں نے اسے

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۹۳، مطبع احمدی دہلی، [2] مسلسلات ص ۴۳، انفاس العارفین ص ۱۹۴ التفہیمات الالٰہیہ ۱/۹

[3] عبدالقیوم مظاہری، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۱ کانپور ۱۹۶۷ء

[4] انفاس العارفین ص ۱۵۳، التفہیمات الالٰہیہ ۲/۱۵۴، [5] تاریخ دعوت و عزیمت ۵/۱۰۵، لکھنؤ ۱۹۸۴ء

[6] محمد بن یحییٰ محسن ترہتی، الیانع الجنی ص ۱۳۴ مطبع صدیقی

[7] التفہیمات الالٰہیہ ۲/۱۵۴-۵۵، انفاس العارفین ص ۴۴، القول الجلی اردو ترجمہ ص ۹

نقل کیا ہے، مگر اس واقعہ کے متعلق ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے شیخ عبدالرحیم کو لڑکا تولد ہونے کی بشارت دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا نام قطب الدین رکھنا تو یہ واقعہ اتنا معمولی اور غیر اہم نہ تھا کہ ولادت اور تسمیہ کے وقت ذہن سے غائب ہو جاتا، کیونکہ بچہ کی ولادت کے وقت شیخ عبدالرحیم کی عمر ساٹھ سال تھی پہلی بیوی سن ایاس کو پہونچ چکی تھی اور مدت بعد شیخ نے دوسری شادی کی تھی[1] اس عمر میں بچہ کی بشارت اپنے اندر جو معنویت رکھتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس صورت حال میں بچہ کی ولادت کے وقت فوراً یہ بات ذہن میں آتی کہ خواجہ صاحب نے جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوئی اور حسب بشارت نام قطب الدین ہی تجویز کیا جاتا نہ کہ ولی اللہ نام رکھا جاتا۔ القول الجلی میں ایک اور عجیب و غریب قصہ یہ مذکور ہے کہ ایک رات شیخ عبدالرحیم اور ان کی زوجہ تہجد کی نماز میں مشغول تھے، زوجہ محترمہ نے نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان دو اور ہاتھ غیب سے ظاہر ہوئے زوجہ محترمہ یہ دیکھ کر متعجب ہوئیں تو شیخ عبدالرحیم نے فرمایا کہ یہ دونوں ہاتھ ہمارے اس فرزند کے ہیں جو عنقریب عرصہ وجود میں قدم رکھے گا وہی ہمارے ساتھ نماز اور دعا میں شریک ہے[2] اس طرح کے اور بھی عجیب و غریب واقعات التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ میں مذکور ہیں[3] مگر ان واقعات کی تاریخی صداقت مشتبہ اور مشکوک ہے اگرچہ اس قسم کے واقعات کی طرف شاہ صاحب نے اشارہ بھی کیا ہے[4]

شاہ ولی اللہؒ کے آباء و اجداد

شاہ ولی اللہؒ نے اکثر تصانیف میں اپنی نسبت فاروقی اور عمری بیان کی ہے[5] خود ان کی وضاحت کے بموجب ان کا سلسلہ نسب بتیس (۳۲) واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب سے ملتا ہے[6] انھوں نے الامداد فی مآثر الاجداد میں اپنا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

"ولی اللہ بن عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین (عرف قاضی قادن)، بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر (عرف قاضی بدھ)، بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان[7] بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر

---

[1] انفاس العارفین ص۱۴۲، [2] القول الجلی ص۸، [3] التفہیمات الالٰہیہ ج۲ ص۱۴۹، [4] انفاس العارفین ص۱۹۳

[5] ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الرحمان، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، شمولہ انفاس العارفین وغیرہ۔

[6] انفاس العارفین ص۱۵۳ [7] غالباً یہ ماہان ہوگا۔

بن الخطاب[1]

اس شجرہ نسب کے شاہ صاحب صرف راوی و ناقل ہیں انھوں نے اس کی کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ اس نسب نامہ میں ایک کمزوری تو یہ ہے کہ علم الانساب کے اصول کے مطابق ایک صدی میں کم از کم تین نسلیں ضروری ہیں چونکہ حضرت عمرؓ اور شاہ صاحب کے درمیان گیارہ صدیوں کا فاصلہ ہے اس لیے اس شجرہ نسب کو کم از کم تینتیس (۳۳) واسطوں پر مشتمل ہونا چاہیے پھر چونکہ ایک صدی میں چار پانچ نسلیں بھی گذر جاتی ہیں اس لیے اس شجرہ میں اضافہ ناگزیر ہے، دوسری کمزوری اس شجرہ نسب میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارہ بیٹوں میں سے کسی کا نام عفان یا محمد نہیں ہے یا ان بارہ صاحب زادوں کے اخلاف میں محمد نامی کوئی شخص صاحب اولاد نہیں ہے[2] اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نسب نامہ میں کچھ فروگذاشت ہوئی ہے جس سے انقطاع پیدا ہو گیا ہے، بعض اہل علم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ شاہ صاحب کے شجرہ نسب محمد بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد اور حضرت ابن عمر کے درمیان عبدالعزیز کا واسطہ ترک ہو گیا ہو[3] شاہ صاحب کے مورث اعلیٰ شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان آئے اور ضلع روہتک (صوبہ ہریانہ) میں اقامت پذیر ہوئے چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمارے اجداد عظام میں سب سے پہلے شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان آئے اور قصبہ روہتک میں سکونت اختیار کی"[4] مفتی شمس الدین ممتاز عالم و عابد تھے، روہتک میں ان کے قیام کی وجہ سے وہاں کی دینی اور اسلامی فضا سازگار ہوئی اور کفر و شرک کے اثرات کم ہوئے[5] شاہ ولی اللہؒ کے بیان یا کسی دوسرے ذریعہ سے ان کے روہتک میں قیام کے زمانہ کا قطعی تعین نہیں ہوتا البتہ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی صاحب چھٹی صدی ہجری میں آئے ہوں گے، مفتی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے عبدالملک جانشین ہوئے، شیخ عبدالملک کو قرآن کریم سے بڑا لگاؤ تھا ان کے بیشتر اوقات تلاوت قرآن میں صرف ہوتے، وہ اپنے مواعظ میں عقیدہ توحید اور ارکان اسلام پر زیادہ زور دیتے تھے انہی کے عہد میں احتساب، افتا اور قضا کے شعبے اس خاندان کے لیے مخصوص کر دیے گئے[6] ان کی وفات کے بعد قاضی بدھ اس منصب پر فائز ہوئے جو ایک صاحب

---

[1] انفاس العارفین ص۵۲، [2] دیکھیے ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب ص۱۴۲، دار المعارف مصر ۱۹۴۸ء نیز دیکھیے مصعب الزبیری، نسب قریش، ص۳۵۶-۵۷ مصر ۱۹۵۳ء، [3] نور الحسن راشد کاندھلوی، شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی، دوماہی فکر و نظر، اسلام آباد جولائی ستمبر ۱۹۸۶ء، [4] انفاس العارفین ص۱۵۲

[5] ایضاً [6] ایضاً ص۱۵۳

نسبت بزرگ تھے ان کے انتقال کے بعد قاضی قاسم خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد قاضی قادن نے ولد اکبر ہونے کی بنا پر جانشینی کی [1] قاضی قادن کے بعد شیخ محمود قاضی مقرر ہوئے مگر انھوں نے اس منصب کو چھوڑ کر حکومت کی فوجی ملازمت اختیار کرلی [2] دسویں صدی ہجری کے اواخر تک یہ خاندان قلعہ روہتک کے متصل اس عمارت میں مقیم تھا جو قلعہ خورد کہلاتی تھی اور بعد میں محلہ چشتیان کے نام سے معروف ہوئی [3]

شیخ محمود کے صاحب زادے ، شیخ احمد نے والد کی وفات کے بعد ابتدائی عمر میں روہتک چھوڑ دیا اور اپنے ننہال سونی پت میں ، شیخ عبدالغنی بن عبدالحکیم کے ساتھ اقامت اختیار کرلی اور ان کی لڑکی سے نکاح کیا ، شیخ عبدالغنی کے سایہ تربیت میں رہنے کے بعد شیخ احمد اپنے آبائی وطن روہتک واپس آگئے [4] شیخ احمد کے بڑے صاحب زادے ، شیخ منصور کی چار اولاد ہوئیں جن میں سب سے بڑے شیخ معظم تھے اور ان کی بھی تین اولاد ہوئیں ، شیخ جمال الدین ، شیخ فیروز اور شیخ وجیہ الدین ، شیخ وجیہ الدین بھی بڑے عالم و عارف تھے ، سفر و حضر میں ہمیشہ تلاوت قرآن کا معمول رکھتے اور کبھی نہ چھوڑتے [5] ان کی بھی تین اولاد ہوئیں ، ابوالرضا محمد ، شیخ عبدالرحیم ، اور شیخ عبدالحکیم ،

شیخ عبدالرحیم م ۱۱۳۱ھ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع ہونے کے ساتھ صاحب نسبت بزرگ تھے ، مسلکاً حنفی اور نسبتاً نقشبندی تھے ، ان کے عارفانہ مکاتیب کا مجموعہ انفاس رحیمیہ کے نام سے شاہ اہل اللہ نے مرتب کیا ہے [6] شیخ عبدالرحیم ہمیشہ تلاوت قرآن کا اہتمام کرتے ، اورنگ زیب عالمگیر کے معاصر اور تھوڑے دنوں کے لیے ان کے منصوبہ تدوین فقہ میں معاون تھے ، اس کام میں ان کو شامل کرنے والے شیخ حامد تھے جن کو اورنگ زیب نے اس کام کا نگراں بنایا تھا ، شیخ عبدالرحیم نے ابتداءً تو اس سے معذرت کی مگر والدہ کے اصرار پر قبول کرلیا بعد میں پیرو مرشد کے حکم سے چھوڑ دیا ، بلکہ اورنگ زیب نے خود ہی ان کا نام قلم زد کردیا [7]

شیخ عبدالرحیم نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی سے ایک صاحب زادہ صلاح الدین تولد ہوئے جب کہ دوسری شادی بڑی عمر میں شیخ محمد پھلتی کی صاحب زادی سے کی ، ان کے بطن سے دو صاحب زادے شاہ ولی اللہ

[1] ان کا اصل نام عبدالقادر یا قوام الدین تھا غالباً ہندوؤں نے تلفظ کو بگاڑ دیا جیسا کہ شاہ صاحب کہتے ہیں بزبان ہنود تحریف شدہ ' انفاس العارفین ص ۱۵۳ ، [2] انفاس العارفین ص ۱۵۳

[3] منظور الحق صدیقی ، ہادی ہریانہ ص ۲۰ ، لاہور ۱۹۶۳ء

[4] انفاس العارفین ص ۱۵۳ [5] ایضاً ص ۱۵۶

[6] انفاس العارفین ، مرتب شاہ اہل اللہ ، مطبع احمدی دہلی ، [7] سید عبدالحی ' الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۱۱ دمشق ۱۹۶۵ء ، محیب اللہ ندوی ، فتاوی عالمگیری کے مولفین ص ۷۰ لاہور ۱۹۸۸ء

اور شاہ اہل اللہ تولد ہوئے [1]

شاہ ولی اللہ کی تعلیم و تربیت

شاہ ولی اللہ کی تعلیم و تربیت کا انتظام ان کے والد شیخ عبدالرحیم نے خود ہی کیا تھا اور اپنی شفقت و محبت پدری اور حمیت دینی کے ساتھ بیٹے کی نشو و نما میں حصہ لیا تھا ، شاہ عبدالرحیم کا گھریلو ماحول دینی تھا اور مدرسہ رحیمیہ کا علمی ماحول بھی تھا ، پانچ سال کی عمر میں شاہ صاحب کو مکتب میں داخل کیا گیا ، سات سال کی عمر میں ختنہ ہوا ، اسی سال کلام اللہ مکمل کیا ، اور اسی سال سے نماز کی عادت ڈالی گئی ، نیز عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں شروع کیں ، دس سال کی عمر میں علم نحو کی معروف کتاب شرح جامی شروع کی چودہ سال کی عمر میں تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا ، اسی سال شادی ہوئی اور پندرہ سال کی عمر میں علوم مروجہ سے فراغت حاصل کی اور اسی سال والد ماجد سے بیعت کی [2] شاہ صاحب نے قرأت و تجوید کی تعلیم محمد فاضل سندھی سے حاصل کی اس کی صراحت انھوں نے فتح الرحمان کے مقدمہ میں کی ہے [3] نیز حدیث کی تعلیم شیخ افضل سیالکوٹی سے بھی حاصل کی [4] شاہ صاحب طبعی طور پر نہایت ذہین و ذکی تھے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں میں نے اپنے والد ماجد جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا سننے کا تو انکار نہیں کرسکتا لیکن آنکھ سے نہیں دیکھا [5] یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کم سنی میں علوم مروجہ کی تحصیل کے قابل ہوگئے تھے اور ۱۵ سال میں اس سے فارغ ہوگئے ۔ ان کی تعلیم کا نصاب حسب ذیل تھا ۔

شاہ ولی اللہ کی تعلیم کا نصاب

قرآن ۔ مع تجوید و قرأت مکمل بروایت حفص عن عاصم [6]
تفسیر ۔ مدارک التنزیل اور بیضاوی کے کچھ اجزا
حدیث ۔ مشکوۃ المصابیح مکمل (کتاب البیوع تا کتاب الاداب کے سوا) بخاری شریف کتاب الطہارۃ تک ، شمائل نبوی مکمل ،

[1] انفاس العارفین ص ۲۲ [2] ایضاً ص ۱۹۴

[3] مقدمہ فتح الرحمان ، [4] نزہتہ الخواطر ۲۹۹/۶ ، [5] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۱

[6] مقدمہ فتح الرحمان ، لیکن یہ عمر کے آخری حصہ میں پڑھا یعنی ۱۱۵۴ھ میں

فقہ ۔ شرح وقایہ اور ہدایہ مکمل (بجز قلیل مقدار)

اصول فقہ ۔ حسامی مکمل اور توضیح و تلویح کا کچھ حصہ

منطق و فلسفہ ۔ شرح شمسیہ، شرح مطالعہ، شرح ہدایت الحکمۃ

علم کلام ۔ شرح عقائد کا کچھ حصہ خیالی کے ساتھ اور شرح مواقف

تصوف ۔ عوارف المعارف کا کچھ حصہ، رسائل نقشبندیہ[1]، شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص

طب ۔ موجز القانون

نحو ۔ کافیہ، شرح ملا جامی

معانی و بیان ۔ مطول و مختصر المعانی

ریاضی ۔ بعض مختصر رسائل

خواص اسماء و آیات پر اپنے والد ہی سے استفادہ کیا[2]

اس نصاب تعلیم کو دیکھا جائے تو ہمارے زمانہ کے دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے مقابلہ میں زیادہ ہمہ گیر اور موثر معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس نصاب کی خواندگی کے ساتھ بطور خود مطالعہ اور غور و خوض کا سلسلہ جاری رکھا جس سے ان کی تعلیمی لیاقت اور ذہنی استعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ چنانچہ شاہ صاحب خود ہی اس کا تذکرہ کرتے ہیں کہ "میں مدرسہ میں چند بار شان نزول اور معانی قرآن عظیم میں تدبیر اور دیگر تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ طریقہ میرے لیے فتح عظیم کا سبب بنا"[3]

۱۱۳۱ھ میں شیخ عبدالرحیم کا انتقال ہوا اس وقت شاہ ولی اللہؒ کی عمر ۱۷ سال تھی، اس وقت سے ۱۲ سال تک متواتر شاہ صاحب نے مدرسہ رحیمیہ میں اپنے والد کی جانشینی کی اور مسند درس سنبھالے رکھا، اس عرصہ میں شاہ صاحب کو مطالعہ، غور و تدبر اور تحقیق و تقابل کا بڑا موقع میسر آیا اور انھوں نے تدریس کے

---

[1] رسائل نقشبندیہ میں کون کون سے رسائل شامل تھے اس کی صراحت شاہ صاحب کی تحریروں سے نہیں ہوتی بعض تذکرہ نگار نے حسب ذیل رسائل کی تعیین کی ہے (۱) انفاس نفیسہ از خواجہ عبید اللہ احرار (۲) رسالہ خواجہ عزیز النعم (۳) رسالہ انسیہ از مولانا محمد یعقوب چرخی (۴) رسالہ قدسیہ از خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (نسخہ خواجہ محمد پارسا (۵) رسالہ نور وحدت از خواجہ خرد (مکی عبید اللہ) (۶) رسالہ بر و عشق از خواجہ خرد۔ ملاحظہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۳۵

[2] یہ تفصیل شاہ صاحب کی اپنی تحریر کے بموجب ہے دیکھیے انفاس العارفین ص ۱۹۵، [3] انفاس العارفین ص ۱۹۳

ساتھ اپنا تحقیقی سفر بھی جاری رکھا، اس سے ان کے ذہنی افق میں وسعت ہوئی اور مطالعہ میں فراخی اور اعتدال پیدا ہوا چنانچہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ "مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں اور جن احادیث سے یہ استدلال کرتے ہیں ان کے ملاحظہ کے بعد نور غیبی کی مدد سے دل فقہاء محدثین کی روش پر مطمئن ہو گیا"[1]

۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج بیت اللہ کے لیے اور علم حدیث میں مزید درک و مہارت حاصل کرنے کی غرض سے حرمین تشریف لے گئے" حج کعبہ سے فراغت کے بعد ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ کی مجاورت اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے ممتاز مشائخ و محدثین سے اکتساب فیض کیا[2] مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر مدنی سے صحاح ستہ وغیرہ کی معروف کتابیں مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد اور جامع کبیر کا درس لیا۔ مسجد نبوی میں محراب عثمانی کے سامنے مسند دارمی کی سماعت کی، امام شافعی کی کتاب الرسالہ، امام بخاری کی الادب المفرد اور قاضی عیاض کی کتاب الشفا کے کچھ حصے پڑھے اور شیخ سے کتب احادیث کی اجازت حاصل کی پھر مکہ مکرمہ آئے اور دوسری بار ۱۱۴۴ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور شیخ وفد اللہ مالکی سے موطا امام مالک پڑھی اور ان کے والد کی تمام مرویات کی اجازت لی نیز شیخ تاج الدین قلعی کے درس بخاری میں شریک ہوئے[3]

شاہ صاحب نے حرمین کے بعض دیگر مشائخ سے بھی استفادہ کیا، ان میں شیخ حسن عجیمی، احمد نخلی، عبداللہ بن سالم بصری، شیخ احمد بن علی شناوی، شیخ احمد بن محمد بن یونس تشاقشی، سید عبدالرحمان ادریسی، شمس الدین محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری المغربی، محمد بن محمد سلیمان المغربی، شیخ ابراہیم کردی وغیرہم قابل ذکر ہیں ان حضرات سے سلوک و تصوف کا سلسلہ استوار کیا[4] واپسی کے وقت شیخ ابوطاہر مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قلبی کیفیت کا اظہار کرنے کے لیے یہ شعر پڑھا۔ نسیت کل طریق کنت اعرفہ ۔ الا طریقا یودینی لربعکم[5] ۔ رجب ۱۱۴۵ھ کو ہندوستان واپس آئے اور سنت رسولؐ کی اشاعت میں منہمک ہو گئے ایک طرف تو درس و تدریس کا سلسلہ

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۹۵، [2] ایضاً شاہ صاحب نے اس سے پہلے بھی تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں زیارت حرمین کا قصد کیا تھا اور رخت سفر لے کر ساحل گجرات تک پہونچے مگر وہاں معلوم ہوا کہ حجاج کے جہاز روانہ ہو چکے ہیں مجبوراً آپ کو چند روز شہر کھمبات میں قیام کرکے دہلی واپس آنا پڑا، [3] دیکھیے انسان العین فی مشائخ الحرمین

[4] دیکھیے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مشمولہ انفاس العارفین از ص ۱۷۶ تا ص ۱۹۲، نیز مجموعہ مکتوبات مرتبہ مولوی عبدالرحمن مکتوب ۲۸

[5] مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شیخ ابراہیم مدنی مشمولہ حیات ولی ص ۵۱۶۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۵۵ء

از سرِ نو شروع کیا، دوسری طرف تصنیف و تالیف سے شغل رکھا اور تیسری طرف بیعت و ارشاد اور اصلاح احوال کا سلسلہ جاری کیا، نہایت انہماک اور استقلال کے ساتھ شاہ صاحب نے دہلی کو علم و اصلاح اور بالخصوص حدیث کا مرکز بنائے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت عطا کی[1]

شاہ ولی اللہ کا طریقۂ تدریس

شاہ صاحب نے وصیت نامہ میں اپنے تعلیمی تجربہ کا جو نچوڑ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابتدا میں صرف و نحو کے تین یا چار رسالے بعدہ عربی زبان میں تاریخ یا حکمت عملی کی کوئی کتاب، عربی زبان پر قدرت کے بعد موطا امام مالک پھر ترجمہ قرآن بلا تفسیر پھر جلالین پھر ایک وقت میں بخاری و مسلم کے مانند کتب حدیث اور فقہ عقائد و سلوک کی کتب پڑھائی جائیں اور دوسرے وقت میں کتب دانشمندی مثلاً شرح ملا جامی اور قطبی۔ اگر میسر ہو تو ایک روز مشکوٰۃ اور دوسرے روز شرح طیبی پڑھائی جائے[2]

شاہ صاحب ابتدا میں شاگردوں کو ہر فن کی کتابیں پڑھاتے تھے، مگر بعد میں انھوں نے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو تین چیزوں پر مجتمع و مرتکز کیا یعنی تصنیف و تالیف، ارشاد و معارف گوئی اور حدیث کی تدریس، اس کے علاوہ دوسرے علوم کے لیے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے ایک ایک شخص کو ہر فن کے لیے تیار کیا اور ان کے سپرد متعلقہ فن کے طلبا کر دیے، شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد کے اس معمول کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں "حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند و طالب ہر فن باوے می سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی بودند و حدیث می خواندند"[3]

شاہ ولی اللہ کے تلامذہ و مریدین

شاہ ولی اللہ کے علمی اور روحانی فیض کا سلسلہ بہت وسیع ہے آج جو مشہور مدارس درس نظامیہ کے قائم ہیں وہ اپنا سلسلہ شاہ صاحب ہی سے جوڑتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کی خدمات کا ایک بین اعتراف ہے، شاہ صاحب کے بلاواسطہ شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ بھی کچھ کم وسیع نہیں ہے چنانچہ جن لوگوں نے شاہ صاحب سے براہ راست علمی و روحانی فیض حاصل کیا ان میں حسب ذیل حضرات خصوصیت

---

[1] شاہ صاحب نے مسوی و مصفی کے آغاز میں موطا امام مالک کی روایت کی اپنی سند بیان کی ہے

[2] وصیت نامہ، مشمولہ التفہیمات الالٰہیہ۔ [3] ملفوظات ص۸۴

سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) شاہ اہل اللہ پھلتی (۲) شاہ محمد عاشق پھلتی (۳) شاہ عبدالعزیز (۴) شاہ رفیع الدین (۵) خواجہ محمد امین ولی اللٰہی (۶) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۷) مخدوم محمد معین الدین ٹھٹوی (۸) مولوی مخدوم لکھنوی (۹) مولوی رفیع الدین مرادآبادی (۱۰) مولوی امین اللہ نگرنہوی (۱۱) جاراللہ بن عبدالرحیم لاہوری (۱۲) عبدالہادی (۱۳) شاہ ابوسعید رائے بریلوی (۱۴) سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۵) شیخ محمد بن ابوالفتح بلگرامی (۱۶) میر قمرالدین منت (۱۷) نوراللہ بن معین پھلتی (۱۸) محمد شریف بن خیرالدین (۱۹) عبدالرحمان ٹھٹوی (۲۰) شیخ عبدالحق پھلتی (۲۱) محمد عابد بن علاء الدین پھلتی (۲۲) میاں داؤد (۲۳) مولانا خیرالدین سورتی (۲۴) مخدوم محمد امین والد محمد معین ٹھٹوی (۲۵) شیخ محمد بن پیر محمد (۲۶) عبداللہ خاں رام پوری (۲۷) محمد سعید خاں رام پوری (۲۸) سید ثناء علی الہ آبادی (۲۹) شیخ ابراہیم آفندی (۳۰) حافظ عبدالنبی عرف عبدالرحمان (۳۱) سید شرف الدین محمد (۳۲) مرزا رستم علی بیگ (۳۳) فضل اللہ کشمیری (۳۴) محمد عثمان کشمیری[1] (۳۵) نوراللہ بڈھانوی (۳۶) شاہ جمال الدین (۳۷) شاہ محمد نعمان (۳۸) شیخ محمد سعید[2] ابتدائی تعلیم و تربیت کی وجہ سے شاہ صاحب کے دو صاحب زادے شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کو بھی اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے[3]

شاہ ولی اللہ کے اخلاق و عادات

شاہ صاحب بچپن ہی سے ذہین اور محنتی ہونے کے ساتھ سنجیدہ باوقار اور نیک طینت تھے سادگی اور نفاست پسند ہونے کے ساتھ نازک طبع اور منکسر المزاج بھی تھے، فضول خرچی اور لغو کاموں سے دور رہتے تھے۔ دراصل شاہ صاحب کی زندگی پر ان کے والد کی شخصیت اور ان کی تعلیم و تربیت کا گہرا اثر تھا، شاہ صاحب کے والد استاذ، پیر، مربی سب کچھ وہی تھے اس تاثر کا اظہار شاہ صاحب ان لفظوں میں کرتے ہیں "کسی باپ، کسی استاذ اور کسی مرشد کو میں نے نہیں دیکھا جو اپنے بیٹے اور شاگرد کے معاملہ میں اس قدر شفقت کا رویہ رکھتا ہو جو کہ اس فقیر کے ساتھ حضرت والد کا ہے"[4]

---

[1] محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص۵۱-۵۲ مجلس اشاعت اسلام لاہور ۱۹۷۳ء

[2] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص۱۱۷-۱۳۰ نیز دیکھیے تاریخ دعوت و عزیمت ۵/۳۹۴-۳۴۳

[3] شاہ صاحب کی وفات کے وقت شاہ عبدالقادرؒ کی عمر ۹ سال اور شاہ عبدالغنی کی عمر ۵ سال تھی۔

[4] انفاس العارفین ص۱۹۵

شیخ عبدالرحیم کی نگرانی اور تربیت نے ہی شاہ صاحب کو ایک خاص طریقہ پر زندگی گذارنے کا عادی بنا دیا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "میں ایک مرتبہ ہم نشینوں کے ساتھ باغ کی سیر کو گیا، واپس آیا تو والد نے پوچھا کہ تم نے اس دن رات میں کیا کام کیا جو باقی رہے۔ میں نے تو اس مدت میں اتنا درود پڑھا، یہ بات سن کر میرا دل سیر و تفریح سے بے نیاز ہوگیا"[1] شاہ صاحب تہذیب و شائستگی، والدین کی عزت بڑوں کا احترام اور مہمان نوازی میں بھی ممتاز تھے۔ اخلاق و مروت کی تعلیم ورثہ میں ملی تھی، ان کے والد ان کو تہذیب و اخلاق کی باتیں بتاتے اور اکثر یہ شعر پڑھتے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است ❊ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

شاہ صاحب بیشتر اوقات مطالعہ کتب، تعلیم و تربیت، تصنیف اور ذکر و فکر میں بسر کرتے۔ اپنے منصبی فرائض سے کبھی غافل نہ ہوتے، نظم و ضبط اور وقت کی پابندی کا خیال رکھتے، اشراق کے بعد بیٹھتے تو دوپہر تک مسلسل بیٹھے رہتے اور دینی کام میں مشغول رہتے، شاہ عبدالعزیزؒ کے بقول "اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے اور نہ دہن سے تھوک پھینکتے"[2]

شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ صاحب کے استغراق و انہماک اور علمی کام میں دلچسپی کی بہت عمدہ تصویر کھینچی ہے۔ گویا شاہ صاحب کی زندگی ایک مستعد منظم اور محنتی شخصیت کا نمونہ تھی۔ شاہ صاحب نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ "میں اپنی ذات میں تنہا ہوں، اپنی مٹی آپ اکٹھی کرتا ہوں اپنے وقت کا بندہ ہوں اپنے نصیب کا شاگرد ہوں جو کچھ سوجھ گیا اس کا پابند ہوں، جو کچھ دل میں سما گیا اسے غنیمت شمار کرتا ہوں"[3]

قرآن کریم سے تعلق

شاہ صاحب کو قرآن کریم سے شغف اور تعلق عہد طفولیت ہی سے تھا اور یہ بھی ان کے والد ماجد کی تربیت کا اثر تھا خود شیخ عبدالرحیم کا معمول بقول شاہ ولی اللہ یہ تھا "ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے بجز عذر کے اور انتہائی خوش الحانی اور تجوید و قرأت کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرتے اور اکثر دوستوں کے حلقہ میں تلاوت کے علاوہ دو تین رکوع معانی قرآن کے بیان اور تدبر کے ساتھ پڑھتے"[4] وہ قرآن مجید کے علمی نکات اور اسرار و رموز کو بڑے تبحر علمی کے ساتھ بیان کرتے جسے سن کر ماہرین فن حیرت کرتے[5] ظاہر ہے کہ اس کا اثر صاحب

---

[1] ایضاً ص۱۹۳

[2] ملفوظات ص۴۳، [3] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۴، [4] انفاس رحیمیہ ص۳۸ مطبع احمدی دہلی

[5] عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۵۱، لاہور ۱۹۴۴ء

زادے کی زندگی پر بھی ہونا تھا چنانچہ قرآن فہمی کا ذوق شاہ صاحب کے اندر بھی پیدا ہوا۔ مدرسہ میں تعلیم کے زمانہ میں شاہ صاحب قرآن فہمی کے سلسلہ میں تفہیم دل کے ساتھ والد ماجد سے رجوع کرنے کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان پر علم و عرفان کا دروازہ کھلا[1] شاہ صاحب قرآن کریم سے اپنی وابستگی کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تصور کرتے تھے اور اس قدر اسے اہمیت دیتے تھے کہ گویا وہ ان کا حاصل زندگی ہو، اسی لیے بار بار انھوں نے اس نعمت کے تحدث کو ضروری سمجھا ایک جگہ اعتراف کرتے ہیں "اس بندہ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھے قرآن مجید کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلقین قرن اول کو فرمائی اور انھوں نے قرن ثانی تک پہونچایا اس طرح درجہ بدرجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت اور درایت سے حصہ ملا[2] دوسری جگہ اس نعمت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الحمد للہ اس فقیر کو ان تمام فنون تفسیر میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور اس کے فروع کی ایک معقول مقدار معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہوگیا ہے۔ ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیض الٰہی کے بحر بیکراں سے القا ہوئے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو میں قرآن مجید کا بلاواسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا

لما استوفیت واجب حمدۃ[3]

شعری ذوق

شاہ صاحب کا شعری ذوق بھی صاف ستھرا تھا۔ فی البدیہہ شعر گوئی پر ان کو قدرت حاصل تھی، وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اور جیسا کہ شاعروں کا دستور ہے کہ وہ اپنا تخلص بھی رکھتے ہیں شاہ صاحب بھی اپنا تخلص آمین رکھتے تھے شاہ صاحب کے متعدد شعری مجموعے دستیاب ہیں، ایک مجموعہ جسے شاہ عبدالعزیزؒ نے جمع کیا اور شاہ رفیع الدینؒ نے ترتیب و تہذیب دی[4] دوسرا مجموعہ مناجات ہے جو

---

[1] انفاس العارفین ص۱۹۴ [3] الفوز الکبیر مقدمہ

[2] الفوز الکبیر ص۲۰ ، [4] اس کا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے

عربی زبان میں الاعتصام کے نام سے ہے اس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیزؒ نے کیا ہے[1] تیسرا مجموعہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے اور الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم کے نام سے مطبوعہ ہے[2] شاہ صاحب کی شاعری میں سادگی بھی ہے اور معنی آفرینی بھی، الفاظ کے تناسب اور حسن خیال کے ساتھ تنوع اور تغزل بھی پایا جاتا ہے، تمثیل ومحاکات اور منظر کشی بھی موجود ہے شاہ صاحب کے بعض اشعار کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی کہنہ مشق استاذ شاعر کا کلام ہے، عربی اشعار کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

کان نجوما اومضت فی الغیاھب	عیون الافاعی اودروس العقارب
اذا کان قلب المرء فی الامرخاثرا	فاضیق من تسعین رحب السباسب
وتشغلنی عنی وعن کل راحتی	مصائب تقفوا مثلھا فی المصائب
اذا ما آتتی ازمۃ مولھمۃ	تحیط بنفسی من جمیع جوانب
طلبت ھل من ناصر اومساعد	الوزبہ من خوف سوء العواقب

فارسی اشعار کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

بزلف پیچ در پیچ کے گم کردہ ام خود را	خروش درد دل شبہا نمی کردم چہ می کردم
دلے پر درد جاں افگار یار تند خو دارم	جہاں را پر زیاریہا نمی کردم چہ می کردم
غم تحصیل وبار شغل ودرد غزل جتیم	جنون ترک معصیہا نمی کردم چہ می کردم
مئے تحقیق را از خم مشربہا بدل دیدم	خروج از قید مشربہا نمی کردم چہ می کردم
حجاب وصل مطلوب است دل بستن مطلبہا	امین گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

تاریخ وفات

شاہ صاحب نے ۶۲ سال کی عمر پائی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے بیان کے مطابق شاہ صاحب نے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء کو ظہر کے وقت وفات پائی، تاریخ وفات اس جملہ سے نکلتی ہے "او بود امام اعظم دیں"[3] اور اس جملہ سے بھی نکلتی ہے

ہائے دل روزگار رفت۔ بست نہم محرم وقت ظہر

شاہ صاحب کے جسد خاکی کو مہندیان میں دفن کیا گیا، یہ قبرستان دہلی کے مشائخ اور مشاہیر علماء وفضلا

---

[1] فتاوی عزیزی، [2] مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ، [3] ملفوظات ص۴۰

ادبا اور شرفا کی آرام گاہ ہے، اسی قبرستان کے احاطہ میں شاہ صاحب کا مدرسہ رحیمیہ قائم ہے جہاں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

زوجات واولاد

شاہ صاحب نے دو شادیاں کیں، پہلی شادی چودہ برس کی عمر میں اپنے والد شیخ عبدالرحیم کی شدید خواہش اور اصرار پر اپنے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحب زادی امت الرحیم سے ۱۱۲۸ھ میں کی[1] یہ شاہ صاحب کی رفاقت میں اکیس سال تک رہیں ۱۱۴۹ھ میں وفات پائی[2] شاہ صاحب نے دوسری شادی امت الرحیم کے انتقال کے بعد مولوی سید حامد سونی پتی[3] کی صاحب زادی بی بی ارادت سے کی[4] جو شاہ صاحب کے چھوٹے صاحب زادے شاہ عبدالغنی کی وفات ۱۲۰۳ھ تک بقید حیات رہیں[5]

شاہ صاحبؒ کے یہاں پہلی بیوی سے ۱۱۴۵ھ میں ایک صاحب زادے شاہ محمد پیدا ہوئے جن کے نام پر شاہ صاحب نے اپنی کنیت ابو محمد رکھی۔ شاہ صاحب نے خود ہی ان کی تعلیم وتربیت کی، علامہ محسن ترہتی لکھتے ہیں "وکان العبد العزیز اخ اقدم منہ سنا اسمہ محمد وکان اخاہ لابیہ اخذ عن ابیہ وھو ایضا قدیم الوفات"[6] عمر کے آخری حصہ میں قصبہ بڈھانا منتقل ہو گئے اور وہیں ۱۲۰۸ھ میں ان کی وفات ہوئی[7]

اسی بیوی سے جو دو صاحب زادیاں تولد ہوئیں ان میں پہلی صاحب زادی صالحہ اور دوسری امت العزیز تھیں، صالحہ سب سے بڑی تھیں ان سے چھوٹے شاہ محمد تھے اور سب سے چھوٹی امت العزیز تھیں، چنانچہ شاہ صاحب نے معین الدین ٹھٹھوی کو جو خط لکھا اس میں اہلیہ امت الرحیم کی وفات کے تذکرہ کے ساتھ یہ بھی رقم فرمایا کہ "یکے دختر شش سالہ دو فرزند سہ سالہ وسہ دختر شش ماہ گذاشت"[8]

شاہ صاحب کے اس اقتباس سے محترمہ صالحہ کا سنہ ولادت ۱۱۴۳ھ متعین ہوتا ہے، ان کی شادی

---

[1] انفاس العارفین ص۱۹۶، [2] مجموعہ مکتوبات شاہ ولی اللہ مکتوب ص۱۹۶ (قلمی) مرتب شاہ عبدالرحمان، کتب خانہ دار العلوم دیو بند، [3] مولوی سید حامد شاہ عبدالرحیم کے درسی ساتھی اور شاہ ابوالرضا محمد کے داماد اور خلیفہ مجاز تھے [4] بعض تذکرہ نگاروں نے بی بی ارادت کو سید ثناء اللہ پانی پتی کی صاحب زادی بتایا ہے، شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان ص۱۲ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص۱۲۹، تمار یل الاحادیث ص۳۰، [6] الیانع الجنی ص۷۹ [7] نزہۃ الخواطر ج۶ ص۴۲، [8] مجموعہ مکتوبات مکتوب ص۱۶۷

شاہ صاحب کی حیات میں ہوئی اور شاہ صاحب کی حیات ہی میں ان کا انتقال بھی ہوا ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دوسری صاحب زادی امۃ العزیز عرف مسیتی کا سنہ ولادت ۱۱۴۸ھ ہے۔ شاہ صاحب نے ان کا نکاح اپنے ماموں زاد بھائی اور خلیفہ اکبر شاہ محمد عاشق کے بڑے صاحب زادے شاہ محمد عبدالرحمان سے کیا۔ شاہ صاحب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ "قد وصل الولد العزیز عبدالرحمان مع اولادہ بالخیر والعافیۃ"[1]

زوجہ ثانیہ سے دو لڑکیاں اور چار لڑکے تولد ہوئے ان میں سے ایک لڑکی فاطمہ اور دوسری فرخ بی بی ہیں۔ فرخ بی بی شاہ محمد عاشق پھلتی کے دوسرے صاحب زادے محمد فائق پھلتی کی زوجیت میں آئیں جن سے ایک لڑکی چار لڑکے تولد ہوئے[2] فاطمہ بی بی کے حالات کے متعلق تذکرہ نگار خاموش ہیں اس لیے بعض اہل علم نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ کمسنی میں وفات پا گئی ہوں گی[3]

شاہ عبدالعزیزؒ

دوسری اہلیہ سے جو صاحب زادگان تولد ہوئے ان میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ ہیں شاہ عبدالعزیز کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ کو بوقت سحر ہوئی، ان کا اپنا بیان ہے کہ "در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم"[4] ان کا تاریخی نام غلام حلیم ہے[5] ان کی تعلیم و تربیت شاہ ولی اللہ، شاہ محمد عاشق پھلتی اور نور اللہ بڈھانوی نے کی، والد کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی شاہ صاحب کے بعد ان کی ذمہ داریوں اور علمی رہنمائی کا بوجھ انھوں نے ہی اٹھایا اور اس شان سے کہ ملت اسلامیہ ہند کی انتہائی نازک وقت میں، دینی، علمی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کی اور اہل علم میں سراج الہند کے لقب سے معروف ہوئے، ۷ شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۶ جون ۱۸۲۴ء کو وفات پائی[6] مومن خاں مومن نے تاریخ وفات یوں کہی "بے سرو پا گشتہ انداز دست بیداد اجل۔ عقل و دیں، لطف و کرم فضل و ہنر، علم و عمل۔

دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے فقر و دیں، فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل[7]

---

[1] حیات ولی ص۵۳۴ [2] تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامۃ ص۵۹۱-۵۵۱

[3] شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی فکر و نظر جولائی تا ستمبر ۱۹۸۶ء، [4] الیانع الجنی ص۱۰۵

[5] الیانع الجنی ص۱۰۵، [6] حدائق الحنفیہ ص۴۷۱، علماء ہند کا شاندار ماضی ج۲ص۱۷۱، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص۲۱۴، تذکرہ علماء ہند (اردو ترجمہ) ص۳۰۳، شاہ عبدالعزیز کی وفات کے متعلق دوسری تاریخیں بھی مشہور ہیں مثلاً ۱۲۴۳ھ دیکھیے آثار الصنادید ص۵۱۸ نیز حیات ولی ص۶۲۴، [7] ایضاً ص۶۲۵

آپ کی اولاد میں تین بیٹے قطب الدین، زین الدین اور احمد تھے، یہ تینوں کمسنی میں وفات پا گئے[1] نیز تین بیٹیاں تھیں اور وہ تینوں بھی آپ کی حیات میں وفات پا گئیں، آپ کی تصانیف میں، تفسیر عزیزی فتاویٰ عزیزیہ ملفوظات، عجالہ نافعہ، بستان المحدثین، تحفہ اثنا عشریہ، سر الشہادتین، رسالہ بلاغت، تحقیق الرویا، میزان الکلام، حاشیہ میر زاہد وغیرہ معروف ہیں[2]

شاہ رفیع الدین

شاہ صاحب کے دوسرے صاحب زادے شاہ رفیع الدین ہیں، ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۷۵۰ء کو بروز منگل پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ۱۳ سال کی عمر تک اپنے والد سے حاصل کی اور والد کی وفات کے بعد ثانوی تعلیم بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی، حافظ قرآن بھی تھے، ان کی کتابوں میں دمغ الباطل، مقدمۃ العلم، کتاب التکمیل، اسرار المحبۃ، رسالہ عروض، رسالہ شق القمر، راہ نجات اور اردو ترجمہ قرآن معروف ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ کے تین نکاح ہوئے اور متعدد اولاد ہوئیں۔ شاہ رفیع الدین نے ۶ شوال ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۸۱۸ء کو طاعون کے مرض میں وفات پائی[3]

شاہ عبدالقادر

شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحب زادے شاہ عبدالقادر تھے آپ ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے والد کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال تھی۔ تعلیم و تربیت آپ کے دونوں بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین نے کی، علم و فضل، تقویٰ اور استغنا میں مشہور تھے، تمام عمر مسجد اکبر آبادی میں ذکر و فکر اور ترجمہ و

---

[1] بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ دیکھیے علماء ہند کا شاندار ماضی ج۲ص۱۷، نیز دیکھیے ولی اللہ ص۹۹

[2] تذکرہ علماء ہند (اردو) ص۳۰۳، الیانع الجنی ص۱۰۶-۱۰۷ [3] شاہ رفیع الدین کا سنہ وفات رحمان علی نے ۱۲۴۹ھ لکھا ہے، دیکھیے تذکرہ علماء ہند (اردو) ص۱۹۶ اور فقیر محمد جہلمی نے ۱۲۳۹ھ رقم کیا ہے دیکھیے حدائق الحنفیہ ص۴۷۰ مگر یہ دونوں سنین وفات غلط ہیں، فقیر محمد نے یہ بھی لکھا ہے کہ "چشمہ فیض" آپ کی تاریخ وفات ہے مگر اس سے ۱۲۳۳ھ کا عدد نکلتا ہے نہ کہ ۱۲۳۹ھ کا۔ تذکرہ علماء ہند کے اردو مترجم ایوب قادری صاحب نے بھی ۱۲۴۹ھ کی تاریخ کی تغلیط اور ۱۲۳۳ھ کی تصدیق کی ہے۔ دیکھیے تذکرہ علماء ہند اردو ص۱۹۶، [4] اس مسجد کو ۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے انتقام میں انگریزوں نے منہدم کر دیا دیکھیے آثار الصنادید ص۲۸۷ برائے تفصیل

تفسیر کلام اللہ میں مشغول رہے اور تلامذہ و متوسلین کی تربیت کی۔ آپ نے قرآن مجید کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا اور موضح القرآن کے نام سے تفسیری حاشیہ لکھا، ۱۹؍رجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۲۸؍جون ۱۸۱۵ء کو وفات پائی[1] تاریخ وفات "آفتاب دین برفت" سے برآمد ہوتی ہے ان کی اولاد میں ایک صاحب زادی زینب کا تذکرہ ملتا ہے جو شاہ رفیع الدین کے صاحب زادے مولوی محمد مصطفٰی سے منسوب ہوئیں اور ان کی بیٹی جمیلہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی زوجیت میں تھیں[2]

شاہ عبدالغنی

شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے فرزند عبدالغنیؒ تھے یہ ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت بھائیوں کے ذریعہ ہوئی۔ ان کے حالات زندگی اور وفات کی تفصیل سے تذکرہ کی کتابیں خالی ہیں، ان کی وفات کی تاریخیں بھی متضاد ہیں، مولانا نسیم احمد فریدی م ۱۹۹۰ء کی تحقیق یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ۱۶؍رجب ۱۲۰۳ھ میں رحلت فرمائی[3] آپ کی اولاد میں دو لڑکیاں رقیہ اور کلثوم اور ایک صاحب زادے فخر زمانہ مولانا شاہ اسماعیل شہید م ۱۸۳۱ء ہیں۔

مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ کا گھرانہ ہندوستان میں منفرد علمی گھرانہ ہے جس نے علم نبوت کے مشعل کو روشن رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس علمی خانوادے کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ع "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" نواب صدیق حسن خاں بھوپالی م ۱۸۸۹ء رقم طراز ہیں کہ "شاہ ولی اللہ کا گھر ہندوستان میں علم دین کا گھر تھا ان کے خانوادہ کے لوگ علوم نقلیہ اور عقلیہ کے ہندوستان میں مشائخ تھے، اصحاب الصالحات اور ارباب الفضائل الباقیات تھے۔ ہندوستان کے کسی گوشہ میں کسی علمی گھرانے نے علوم دینیہ کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی کہ شاہ صاحب کے گھرانے کی"[4]

---

[1] حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علماء ہند کے مولفوں نے سنہ وفات ۱۲۴۳ھ لکھا ہے دیکھیے حدائق الحنفیہ ص۴۷۱ تذکرہ علماء ہند ص۳۱۶ اور غلام رسول مہر نے ۱۲۳۲ھ رقم کیا ہے دیکھیے، سید احمد شہید ۱؍۱۱۶ مگر یہ ساری تاریخیں غلط ہیں، [2] شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی فکرونظر ۱۹۸۶ء اسلام آباد، [3] تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہید ص۱۳ [4] ابجد العلوم ۳؍۲۴۳

تیسرا باب

شاہ ولی اللہؒ کی علمی خدمات

شاہ ولی اللہ دہلویؒ جامع کمالات اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے، اس لیے ان کی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے اور مختلف سمتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ شاہ صاحب اگر ایک طرف سماجی مصلح کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف ایک عظیم سیاسی مبصر کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ایک طرف وہ معاشی اصلاحات کے داعی ہیں تو دوسری طرف علوم و فنون کی تشکیل نو کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ ایک طرف وہ ملک کے ہر طبقہ کو اس کے منصبی فرائض یاد دلاتے ہیں اور دوسری روحانی پیشوا اور باطنی امراض کے معالج دکھائی دیتے ہیں۔

شاہ صاحب ان عبقری انسانوں میں ہیں جن کی انگلیاں ہمیشہ نبض حالات پر رہتی ہیں بلکہ وہ آنے والے عہد کی بھی نزاکت کو محسوس کرتے ہیں اور اس پر اثر انداز ہونے کے لیے اپنے قوائے فکر و عمل کو مجتمع کرتے ہیں۔ بقول اقبال "یہ شاہ ولی اللہ دہلوی تھے جنھوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی"[1] شاہ صاحب کی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک تو وہ خدمات ہیں جو شاہ صاحب کے عہد خاص، حالات اور ماحول کے سبب انجام پائیں اس پہلو کو ہم مقامیت بالفاظ دیگر عصریت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحب نے اپنے ہمعصر امراء، صنعت گر، سپاہی، صوفیا، علماء، اور عوام کو خطاب کیا، اور ان کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اسی طرح شاہ صاحب کی سیاسی جدوجہد، شاہ ابدالی کے نام خط لکھنا اور ان کو ہندوستان آنے کی دعوت دینا۔ سکھوں اور مرہٹوں کی شورش کا علاج تجویز کرنا وغیرہ یہ ساری خدمات اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کو انہی حالات کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کوئی بھی مصلح اپنے زمانہ کے حالات اور مسائل سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر اپنے ماحول میں جیتا اور کام کرتا ہے تو اسے لازماً اس کے مسائل سے برد آزما ہونا پڑتا ہے اور یہ انبیائی طریقہ کار بھی ہے۔

دوسری وہ خدمات ہیں جو خالص علم و فکر کے نتیجہ میں پورے دین، سارے مسلمان اور ہر دور کے حالات

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص۱۳۵ لاہور ۱۹۵۹ء

کو پیش نظر رکھ کر انجام دی گئیں گو کہ ان خدمات کا بھی مقامی اور عصری پس منظر ہے تاہم وہ خدمات ہر دور کے لیے یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ اس پہلو کو ہم آفاقیت یا جامعیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان خدمات سے امت کے علمی اور ثقافتی سرمایہ میں قابل قدر اضافہ ہوا، یہی اصل کارنامہ ہے جس سے شاہ صاحب کے علمی عطیات کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے اور یہی کام شاہ صاحب کی عبقریت کو اجاگر کرتا ہے۔ اسے ہم علمی خدمات سے موسوم کر سکتے ہیں یہ خدمات اس قدر وقیع ہیں کہ بعد کے مورخوں اور مبصروں کو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ شدید ہنگامی حالات میں شاہ صاحب نے یہ ٹھوس علمی خدمات کیونکر انجام دیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ :

"ایک طرف ان کے زمانہ اور ماحول کو اور دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا اس تاریک زمانہ میں نشو و نما پا کر ایسا آزاد خیال مفکر و مبصر منظر عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے، تقلیدی علم، اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات، نظریات، مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گرد و پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان تھا۔" [1]

شاہ صاحب کی علمی خدمات کے بھی دو پہلو ہیں، ایک تعلیم و تدریس جس کے ذریعہ انھوں نے علماء اور ماہرین فن کی ایک ٹیم تیار کی، جنھوں نے ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا اور اپنے معاشرہ کو قرآن و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ دوسرا پہلو تصنیف و تالیف ہے شاہ صاحب نے اسلامی موضوعات پر تصانیف کا ایک قیمتی سرمایہ چھوڑا۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق شاہ صاحب کی مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی باون کتابیں ہیں [2]۔ ذیل میں ان کی خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تدریس

شاہ صاحب نے یوں تو اپنے والد کی وفات کے بعد ہی سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا مگر سفر حجاز

---

[1] تجدید و احیائے دین ص۹۱-۹۹ ، [2] ایوب قادری صاحب نے شاہ صاحب کی ۵۲ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے دیکھیے مجموعہ وصایا اربعہ مقدمہ، مگر ان میں سے بعض کتابیں دوسری کتابوں میں شامل ہیں۔

کی وجہ سے ایک عرصہ تک یہ سلسلہ منقطع رہا، جب وہ حجاز سے علوم نبوت کی سوغات اور خدمت دین کا تازہ ولولہ لے کر ہندوستان واپس آئے تو مسند تدریس سنبھالی، اور باقاعدہ تعلیم و تدریس میں منہمک ہو گئے۔ یہ سلسلہ شاہ صاحب نے اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ واقع مہندیان میں شروع کیا [1] اللہ نے آپ کے کام میں برکت دی اور طلبہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے، جب طالبان دین کی کثرت ہوئی اور یہ چھوٹا سا مدرسہ ان سب کے لیے ناکافی ثابت ہوا تو شاہ صاحب نے اپنی درس گاہ تبدیل کر دی اور یہ نئی درس گاہ کلاں محل کی ایک طویل و عریض عمارت تھی جسے اس وقت کے فرمانروا شاہ عالم نے شاہ صاحب کو اشاعت دین کے لیے دیا تھا [2] نئی درس گاہ میں منتقل ہونے کے بعد پرانی جگہ غیر آباد ہو گئی، اور یہ نیا مدرسہ بعد میں شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ کے نام سے مشہور ہوا، اندرون شہر کی یہ عمارت شاہ صاحب کا دارالعلوم تھی جو اپنے دور کی نہایت عالی شان اور خوبصورت حویلی تھی۔ افسوس ہے کہ یہ عمارت بغاوت ہند میں لوٹ لی گئی اور کڑی تختہ تک لوگ اٹھا لے گئے [3]

شاہ صاحب کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ پہلے وہ قرآن کی تعلیم دیتے تھے پھر حدیث شروع کراتے تھے وصیت نامہ میں شاہ صاحب نے اس طریقۂ تدریس پر روشنی ڈالی ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا درس دینا چاہیے اس طریقہ سے کہ صرف قرآن پڑھایا جائے یعنی صرف متن قرآن اور ترجمہ بغیر تفسیر کے پڑھایا جائے۔ پھر قرآن کے متن کے متعلق جو دشواری پیش آئے مثلاً نحو یا شان نزول کے متعلق تو رک کر اس کی تحقیق کی جائے پھر جب قرآن ختم ہو جائے تب نصاب کے مطابق جلالین پڑھائی جائے۔ اس طریقہ میں بڑے فیوض ہیں اس کے بعد ایک ہی وقت میں صحیحین وغیرہ سے کتب حدیث پڑھائی جائیں اور کتب فقہ، عقائد اور سلوک ایک وقت میں پڑھائی جائیں [4]

شاہ عبدالعزیز کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اپنے اس طریقہ کے مطابق زیادہ عرصہ تک تدریسی خدمات انجام نہ دے سکے۔ صرف حدیث کا درس اپنے ذمہ رکھا اور بقیہ اوقات تصنیف و تالیف اور عبادات میں صرف کرتے تھے [5] لیکن فتح الرحمٰن کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تدریس بھی انھوں نے جاری رکھی اور اسی ذریعہ سے فتح الرحمٰن کی تالیف عمل میں آئی۔ شاہ صاحب کے انداز تدریس میں غالباً یہ تبدیلی اس وجہ سے آئی کہ وہ تدریس کے علاوہ اصلاح و تجدید، تصنیف و تالیف اور دیگر سیاسی امور کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو چکے تھے اس لیے وہ مدرسہ کے طلبا کو پورا وقت دے نہیں سکتے تھے، بنابریں انھوں نے اپنی تدریسی ذمہ داری کچھ کم کر لی تھی اور یہ ذمہ داری ان لوگوں کو سونپ دی تھی جن کو انھوں نے اس کام کے لیے

---

[1] حیات ولی ص۴۱۴ [2] دار الحکومت دہلی ص۱۴۳ [3] ایضاً
[4] التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم ص۲۴۵ [5] ملفوظات ص۵۵

تیار کیا تھا۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے کہ "حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند"[۱] بہرصورت شاہ صاحب نے تعلیم و تدریس اور بالخصوص اشاعت حدیث کے لیے جو درس گاہ قائم کی وہ اس قدر مقبول ہوئی کہ دور دراز سے تشنگان علم دیں کشاں کشاں اس کی طرف آنے لگے اور آس پاس کے علاقے خاص طور پر متور ہوئے۔ دہلی علم حدیث کی اشاعت کا مرکز بن گئی۔ اس مرکز نے علم دین کی اشاعت میں وہ نمایاں کردار ادا کیا کہ آج بھی ہند و پاک میں پائے جانے والے بیشتر مدارس کے شجرۂ تعلیم پر غور کیجیے تو وہ شاہ صاحب اور ان کے تیار کردہ علماء تک ضرور پہونچتا ہے۔ گویا اس ایک چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہوئے۔ شاہ صاحب عام لوگوں کو بھی قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ اس غیر رسمی حلقۂ درس کا مقصد قرآن و حدیث کی عمومی اشاعت تھی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ "والد ماجد کا دستور یہ تھا کہ قرآن شریف کا درس ختم کرنے کے بعد حدیث شریف بیان فرمایا کرتے تھے، یہاں دونوں چیزوں کا اتفاق ہوتا تھا آدمی جس قدر قرآن شریف سن کر متلذذ ہوتے تھے حدیث سن کر نہیں ہوتے تھے"۔[۲]

شاہ صاحب کی تدریسی خدمات نے جن لوگوں کو نابغۂ روزگار بنایا اور جو جدید ہندوستان میں علم دین کی حفاظت اور اشاعت کے پشتیبان بنے ان میں سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے چاروں صاحب زادے لائق ذکر ہیں۔ اس خانوادہ ہی نے خدمت دین کا بیڑا اٹھایا۔ ان کے علاوہ مولانا معین سندھی جنھوں نے "دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" لکھی، شاہ صاحب کے خاص شاگرد ہوئے، کشمیر کے مولانا محمد امین خصوصی شاگرد کی حیثیت سے معروف ہیں، یہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے استاد بھی تھے۔ ان کے علاوہ سید مرتضی زبیدی بلگرامی، م ۱۲۰۵ھ صاحب تاج العروس شرح قاموس اور اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۲۲۵ھ صاحب تفسیر مظہری اسی حلقہ سے متمتع ہوئے۔ غرض کہ شاہ صاحب نے علماء اور معلمین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو بعد کے تمام علماء کی ذہنی و فکری تعمیر کا سبب بنی۔ بعض علماء نے اسی وجہ سے شاہ صاحب کی مثال اس شجرۂ طوبیٰ سے دی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے اور شاخیں مسلمانوں کے ہر گھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔[۳]

تصنیف و تالیف

قرآن

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن اور علوم قرآن کی اشاعت ہے چوں کہ قرآن

[۱] ملفوظات ص۹۵ [۲] ملفوظات ص۸۲ [۳] نزہۃ الخواطر ۶/۴۰۶

انسانوں کی ہدایت کا دائمی سرچشمہ ہے اور مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی علمی و فکری ترقی قرآن ہی کے فہم و تدبر اور اس کے مطابق زندگی گذارنے سے وابستہ ہے اس لیے شاہ صاحب نے اپنی توجہ قرآن اور علوم قرآن کی تعلیم و ترویج پر زیادہ صرف کی۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں قرآن مجید یقیناً پڑھایا جاتا تھا۔ بعض فارسی کی تفسیریں اور تراجم بھی موجود تھے۔ دینی درسگاہوں میں جلالین، کشاف اور مدارک التنزیل جیسی تفسیریں داخل نصاب بھی تھیں مگر اس کے باوجود یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مسلمانوں کی علی العموم قرآن سے جذباتی وابستگی ان میں علمی اور فکری پختگی پیدا کرنے کے بجائے جمود و تعطل کی نذر ہو کر رہ گئی تھی۔ نظری طور پر تو قرآن دین و شریعت کا پہلا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا تھا مگر مسائل و احکام میں فقہی جمود اور بحث و استدلال میں فلسفیانہ موشگافیوں نے جڑ پکڑ لیا تھا۔[۱] محفلیں سجا سجا کر لوگ تصوف اور قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھتے تھے مگر ان میں قرآن کے حلقے بنانے کا رجحان نہ تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن کا سمجھنا اور اس پر غور کرنا علماء کا کام ہے اور ان کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ قرآن کی تلاوت کر لیا کریں۔ قرآن کے درس و تدریس کے ماحول میں بھی قرآن فہمی سے زیادہ تفسیر خوانی پر توجہ صرف ہوتی تھی۔[۲] شاہ صاحب نے مسلمانوں کو پر سوز طریقے سے سمجھایا "اگر تم انصاف سے کام لو تو نزول قرآن کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کی جائے اور اس کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی جائے، قرآن کا صرف تلفظ مقصود نہیں اگرچہ وہ بھی غنیمت ہے۔ مسلمانوں نے یہ کیا شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اس شخص کو کیا حلاوت نصیب ہوتی ہے جو قرآن کے معنی کو نہیں سمجھتا"۔

چنانچہ شاہ صاحب نے سلیس اور متعارف فارسی زبان میں لوگوں کے لیے قرآن کا ترجمہ کیا جو فتح الرحمان کے نام سے مشہور ہے اس ترجمہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں اس کو پڑھیں، سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی درست کریں۔ فاسد خیالات، اوہام اور غلط قسم کے رسوم اور اعمال جو مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں ان کا ازالہ ہو چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس کتاب (فتح الرحمن) کا مرتبہ متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد ہے تاکہ فارسی ان کی سمجھ میں بے تکلف آجائے، خاص طور پر سپاہیوں اور اہل حرفہ کے بچوں کے لیے جو کہ علوم عربیہ کو پورا کرنے کی توقع نہیں رکھتے، سن تمیز کے پہلے ہی مرحلہ میں اس کتاب کی ان کو تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کے اندر پہلی چیز جو داخل ہو وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں اور ان

[۱] شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں تین چیزوں کا زیادہ رواج تھا (۱) برہان یعنی یونانی علوم اور کلام سے مرکب علم (۲) وجدان یعنی تصوف اور صوفیاء کے رموز و اشارات (۳) السمع یعنی علوم نقلیہ میں انتشار ملاحظہ ہو التفہیمات الالٰہیہ اول ص۸۳

[۲] یہ صورت حال کم و بیش آج بھی پائی جاتی ہے۔ [۳] مقدمہ فتح الرحمان

کی سلامتی فطرت ہاتھ سے نہ جائے۔ ملحدوں کے اقوال جو کہ صوفیوں کے لبادہ میں پنہاں ہو کر دنیا کو گمراہ کرتے ہیں ان کو فریفتہ نہ کریں۔ خام معقولیوں کی ہرزہ سرائی اور واہیات ہندوؤں کی بکواس ان کے لوح سینہ کو ملوث نہ کرے۔ پھر وہ لوگ جو عمر کا ایک بڑا حصہ گذار دینے کے بعد توبہ کی توفیق پاتے ہیں مگر اسلامی علوم کو حاصل نہیں کر پاتے یہ کتاب ان کو پڑھانی چاہیے تاکہ وہ قرآن کی تلاوت میں حلاوت پائیں اور اس کتاب کا فائدہ عام مسلمانوں کے حق میں متوقع ہے انشاء اللہ تعالیٰ العظیم" [1]

قرآن مجید کے ترجمہ اور مختصر تفسیری حواشی کے ساتھ شاہ صاحب نے علوم قرآن کی اشاعت اسی اہم اور اہتماد کے ساتھ کی اور اس موضوع پر ایک نہایت جامع کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر لکھی۔ نیز فتح الخبیر اور مقدمہ فی قوانین الترجمہ بھی ضبط قلم کیا۔ انبیائی قصص پر ایک اور اصولی نوعیت کی کتاب تاویل الاحادیث لکھی۔ [2]

شاہ صاحب کی قرآنی خدمات بڑی وسیع اور بے نظیر ہیں۔ انھوں نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے نہیں بلکہ کتاب ہدایت کی ترویج واشاعت کے لیے اور امت کو از سر نو قرآن کی بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے جامع اور منصوبہ بند طریقہ پر کام کا آغاز کیا۔ یہ شاہ صاحب ہی کی تحریک اور رہنمائی تھی کہ ان کے جلیل القدر صاحب زادوں نے پہلی مرتبہ اُردو زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ کا فریضہ انجام دیا۔ ع الفضل للمتقدم۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے بالخصوص اور عام الناس کی فلاح کے لیے بالعموم جو تحریک برپا کی وہ قرآنی تحریک تھی جو قرآن فہمی سے شروع ہوئی اور جہاد بالسیف تک بسیط ہو گئی۔ گویا شاہ صاحب کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ وہ تحریک قرآن کے داعی اور مبلغ تھے۔

سماجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس مہم کے تین نمایاں پہلو ہیں ایک تو یہ کہ مہلک رسوم ورواج اور مشرکانہ عقائد وخیالات کی عام وبا کے لیے قرآن کو موثر علاج کی حیثیت سے متعارف کرانا۔ کہ جتنی قربت قرآن سے ہوگی مشرکانہ خیالات واعمال سے اسی قدر دوری ہوتی چلی جائے گی اور جب تک قرآن کی اشاعت نہ ہوگی یہ برائیاں ختم نہ ہوسکیں گی، دوسرے یہ کہ قانون اور شریعت کی اساس اور سرچشمہ اول کی حیثیت سے قرآن کو پیش کرنا کہ زندگی کے تفصیلی معاملات میں وہی مرجع اور قول فیصل قرار پائے، تیسرے یہ احساس پیدا کرنا کہ جب لوگ قرآن کی طرف رجوع کریں گے تو ان کی علمی، ذہنی اور فکری سطح بھی حسب استفادہ بلند ہوتی چلی جائے گی اور علم وفکر کا منبع ان کے ہاتھ آجائے گا۔

---

[1] فتح الرحمان، مقدمہ

[2] ان کتابوں کا تعارف آئندہ کرایا جائے گا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب کی اس تحریک کی وجہ سے شرک وبدعات اور فسق وفجور کا یک قلم خاتمہ ہوگیا اور جاہلیت کافور ہوگئی تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ظلم وجہالت کے طوفانوں کا زور یقیناً کم ہوگیا اور صورت حال میں بہت حد تک تبدیلی آئی، قرآن کی اشاعت کا رجحان بڑھا اور امت قرآن خوانی کے مرحلہ سے نکل کر قرآن فہمی کے مرحلہ تک آئی۔ یہ اثرات بعد کے ادوار میں واضح طور پر محسوس کیے گئے، اس وقت اُردو زبان میں قرآن کریم کے سینکڑوں مکمل ونامکمل تراجم وتفاسیر موجود ہیں اگر غور کیا جائے تو ان سب پر کسی نہ کسی درجہ میں شاہ صاحب کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس دور کی اصلاحی اور انقلابی تحریکوں میں بھی شاہ صاحب کے اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں کیونکہ غالباً پہلی مرتبہ ہندوستان میں شاہ صاحب نے قرآن کو بنیاد بنا کر اصلاح معاشرہ کی تحریک چلائی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول "شاہ صاحب نے اس مرض (شرک وبدعات) بلکہ وبائے عام کے علاج کے لیے قرآن مجید کے مطالعہ اور تدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا اور یہ بات محض ذہانت، قوت مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہ تھی بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآن مجید خود شاہد اور نہ صرف عہد بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخ دعوت اور سرگزشت اصلاح وتجدید گواہ ہے" [1]

حدیث

قرآن کے بعد شریعت اسلامیہ کا دوسرا سرچشمہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ہدایت کے لیے ان دو سرچشموں یعنی قرآن وسنت کو لازم پکڑنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کو معیار ہدایت قرار دیا ہے [2]

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت جس علم کے ذریعہ ہوئی ہے وہ علم حدیث ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ کے بعد شاہ صاحب دوسرے عالم ہیں جنھوں نے اس فن میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ہندوستان میں حدیث کی اشاعت میں ان کا اہم رول ہے۔ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ علم حدیث مدینہ منورہ سے والد ماجد لائے [3]

شاہ صاحب کے نزدیک اس فن کی کیا اہمیت ہے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر بایں الفاظ روشنی ڈالی ہے "بلاشبہ علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ اور سرتاج اور دینی فنون کی اساس علم حدیث ہے جس میں افضل

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت پنجم ص۱۰۱ [2] موطا امام مالک، باب النہی عن القول بالقدر

[3] ملفوظات ص۱۰۲

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل یا کسی بات پر آپ کی رضامندی و سکوت کا ذکر خیر ہوتا ہے اس لیے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد وہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل کرتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اور جو اس سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنے آپ کو سراسر نقصان میں مبتلا کرتا ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امر ونہی، انذار وتبشیر اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے۔ اور آپ کی حدیثوں میں یہ چیز قرآن ہی کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ زیادہ ہیں[1]

حدیث رسولؐ کی اہمیت اور ضرورت پر اس پختہ یقین ہی نے شاہ صاحب کو اس کی خدمت اور اشاعت پر کمر بستہ کیا۔ ہندوستان کے علاوہ حرمین شریفین میں بھی خاص طور پر آپ نے حدیث ہی میں تخصص اور مہارت پیدا کی، پھر ہندوستان لوٹ کر اس کی اشاعت میں ایسے منہمک ہوئے کہ ہندوستان اور اس کے باہر محدث کے لقب سے مشہور ہوئے اور یہ لقب اب گویا آپ کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ بعد کے ہندوستان میں علم حدیث کی آبیاری میں جن علماء کی مساعی قابل ذکر ہیں ان سب کے آپ صدر نشین ہیں۔

حدیث رسولؐ پر شاہ صاحب کی حسب ذیل کتابیں لائق ذکر ہیں۔

(۱) الاربعین یہ چالیس جامع احادیث کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحب نے عوام میں حدیث کا ذوق پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کو مرتب کیا تھا۔ یہ مجموعہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا۔ اردو میں اس کے متعدد تراجم شائع ہو چکے ہیں جن میں سید عبداللہ اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمے قابل ذکر ہیں اس مجموعہ میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔

(۲) الارشاد الی مہمات الاسناد، یہ رسالہ عربی میں اپنے اساتذہ اور شیوخ حجاز کے تذکرہ سے متعلق لکھا ہے اس میں ان کی سند حدیث پر گفتگو کی ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں مطبع احمدی جش خاں دہلی سے شائع ہوا۔

(۳) تراجم ابواب البخاری (عربی) اس رسالہ میں بخاری شریف کے ترجمۃ الباب کو حل کرنے کے لیے اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں یہ رسالہ مطبع نور الانوار آرہ سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا ہے۔

(۴) شرح تراجم ابواب البخاری۔ یہ رسالہ بھی عربی میں ہے اور بخاری شریف کے تراجم، عنوانات اور احادیث کے لطائف وحکمت پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں رسالے ایک ساتھ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوئے ہیں۔ نیز بخاری شریف کے موجودہ ایڈیشن میں جو کلکتہ سے شائع ہوا ہے مولانا احمد علی

[1] حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ

سہارنپوری کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

(۵) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین، عربی میں یہ رسالہ اس نوع حدیث پر لکھا گیا ہے جو مسلسلات کے نام سے مشہور ہے۔

(۶) شاہ صاحب نے موطا امام مالک کی دو شرحیں لکھی ہیں (۱) مسوی بزبان عربی (۲) مصفی بزبان فارسی یہ دونوں کتابیں الگ الگ بھی شائع ہوئی ہیں اور یکجا کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی سے طبع ہوئی ہیں۔ ایک ہی مجموعہ حدیث کی دو شرحیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ شاہ صاحب کی نظر میں موطا کی غیر معمولی اہمیت ہے اس کی وجہ شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں "یہ فقیر ایک مدت تک فقہا کے اختلاف مذہب اور علماء کے گروہوں کی کثرت اور ہر ایک کی اپنی جانب کھینچ تان کی وجہ سے تشویش میں مبتلا رہا کیونکہ تعیین عمل ضروری تھی اور یہ بغیر ترجیح کے ممکن نہیں اور وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف پایا۔ پھر ہر طرف ہاتھ پاؤں مارا، ہر کسی سے مدد چاہی مگر فائدہ نہ ہوا پھر اللہ کے حضور یہ دعا لے کر کھڑا ہوا "لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین"[1] چنانچہ اشارہ امام مالک بن انس کی کتاب موطا کی طرف ہوا[2] مصفی اصلا موطا کا فارسی ترجمہ ہے اور تشریح ضمنا ہے جب کہ مسوی صرف تشریح ہے

(۷) النوادر من احادیث سید الاوائل والآخر۔ علم حدیث پر یہ رسالہ عربی میں لکھا گیا ہے اور مطبع نور الانوار آرہ سے شائع ہوا ہے۔

(۸) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، یہ رسالہ دراصل حدیث کے بجائے خواب سے متعلق ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مبشرات ہیں جو شاہ صاحب اور ان کے بزرگوں کو خواب میں نظر آئے یہ رسالہ مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ فن حدیث پر بعض دوسری کتابوں میں شاہ صاحب نے بڑی قیمتی بحثیں کی ہیں اور جس انداز پر حدیث کی تفہیم وتشریح کی ہے وہ ایک منفرد کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حجۃ اللہ البالغہ جلد اول کی ساتویں بحث مبحث استنباط الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علم نبوت کی اقسام، شریعتوں اور مصلحتوں میں فرق، طبقات کتب حدیث، حدیث کے مراد کو سمجھنے کی کیفیت کتاب وسنت سے شرعی معانی کی تفہیم کی کیفیت اور مختلف احادیث میں تطبیق وغیرہ پر استدلالی اور عقلی انداز میں گفتگو کی گئی ہے، ان میں سے صرف ایک عنوان طبقات کتب حدیث کو لیجیے۔

[1] الانعام ۷۹، ۸۰
[2] مصفی ص۳

شاہ صاحب نے تمام مجموعہ ہائے حدیث کو صحت و شہرت کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو رکھا ہے۔ دوسرے طبقہ میں ان کتابوں کو رکھا ہے جو مذکورہ تینوں کتب کے درجہ تک صحت و شہرت کے لحاظ سے نہیں پہونچتیں مگر ان کے مصنف عدالت ثقاہت حفظ اور مہارت حدیث میں معروف تھے، اس طبقہ میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی کو رکھا ہے۔ تیسرے طبقہ میں ان مسانید، جوامع اور تصانیف کو رکھا ہے جو شیخین سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد مرتب کی گئیں مگر ان میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ منکر، خطا، صواب، ثابت، مقلوب ہر قسم کی احادیث جمع کی گئیں ہیں اس طبقہ میں مسند ابو یعلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابوداؤد الطیالسی، بیہقی، طحاوی، اور طبرانی کی کتب احادیث شامل ہیں۔ مسند احمد کو شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ سے قریب رکھا ہے۔ چوتھے طبقہ میں ان کتب احادیث کو رکھا ہے جو مشہور کتب احادیث کے عرصہ بعد لکھی گئیں اور ان کتابوں میں ان احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی جو مشہور کتب میں نہیں تھیں۔ اس میں ابن حبان کی کتاب الضعفاء، اور ابن عدی کی الکامل اور خطیب بغدادی، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن بخار، دیلمی وغیرہ کی کتب شامل ہیں۔ مسند خوارزمی کو شاہ صاحب نے اسی طبقہ سے قریب رکھا ہے پانچویں طبقہ میں ان احادیث کے مجموعہ کو رکھا ہے جو فقہاء، واعظین، صوفیا اور مورخین وغیرہ کے یہاں زبان زد ہیں مگر ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے طبقہ کی کتب پر محدثین اعتماد کرتے ہیں۔ تیسرے طبقہ کی احادیث پر قول و عمل کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، مگر ماہرین حدیث جن کو اسماء الرجال اور علل احادیث پر عبور ہے وہی اس سے استنباط کر سکتے ہیں چوتھے طبقہ کی کتب سے مدد لینا درست نہیں۔

فقہ

فقہ کے میدان میں بھی شاہ صاحب نے زبردست خدمت انجام دی ہے، قرآن و حدیث جس شریعت کی تشکیل کرتی ہیں اس کا تفصیلی علم "فقہ" کہلاتا ہے۔ قرآن و حدیث سے مسائل زندگی کے استخراج و استنباط کے طریقہ سے متعلق کئی مکاتیب وجود میں آئے ان میں چار مکاتب فقہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ نیز ان چاروں مکاتیب میں فقہ حنفی کو خاص طور پر وسعت اور رواج ملا، ہندوستان تو گویا ابتدا ہی سے فقہ حنفی کا مرکز تھا اور مسلم حکومت کی سرپرستی بھی اس فقہ کو حاصل رہی اگرچہ دوسرے مکاتب فقہ بھی موجود تھے۔ یہاں فقہ کے رواج کا عالم یہ تھا کہ ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے پیرو کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے یہاں تک کہ خواہ کوئی حدیث ہی پر عامل کیوں نہ ہو، مدارس عربیہ میں بھی فقہ کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ حدیث گویا ثانوی درجہ میں تھی، اس صورت حال میں ذوق تحقیق اور روح اجتہاد پژمردہ

ہو کر رہ گئی تھی، شاہ صاحب کی نشو و نما بھی اسی ماحول میں ہوئی اور خاندانی طور پر وہ بھی فقہ حنفی سے وابستہ تھے۔ مگر قیام حجاز کے ایام میں ان کو دوسرے مسالک کو بھی قریب سے سمجھنے کا موقعہ ملا[1] اس سے ان کی نظر میں وسعت پیدا ہوئی، نیز قرآن و حدیث پر از سر نو غور کرنے کے جذبہ اور اصلاحی کام کے داعیہ نے ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ فقہی جمود اور تعصبات کا حصار توڑ سکیں، فقہی مسالک کو تنقید و تطبیق کی نگاہ سے دیکھ سکیں اور راہ اعتدال دکھا سکیں۔ شاہ صاحب نے سب سے پہلے فقہی تقشف اور اندھی تقلید کی مخالفت کی۔ انھوں نے اہل علم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ ماقبل کے فقہا کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب کر غور و خوض کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ حکم تو وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول حکم دیں، تم میں بہت سے لوگوں کے پاس جب کوئی حدیث پہونچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ میرا عمل حدیث پر نہیں بلکہ فلاں کے مذہب پر ہے"[2]

شاہ صاحب اگرچہ خود فقہ حنفی کی پیروی کرتے تھے[3] مگر ان کی نظر میں دوسرے مکاتب فقہ بھی یکساں اہمیت کے حامل تھے اور اسی لیے وہ بہت سے معاملات میں اپنی اجتہادی بصیرت کی روشنی میں جس مسلک کے مطابق مسئلہ کو درست سمجھتے اسی پر عمل کرتے، "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" میں شاہ صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا ہے جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہ اربعہ کے بارے میں سوال کیا تو آنجناب نے فرمایا یہ سب حق پر ہیں۔ اسی خیال کے پیش نظر شاہ صاحب نے مختلف مکاتیب فقہ میں اختلاف اور اس کے اسباب پر اصولی نوعیت کی ایک کتاب "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" لکھی، اس میں انھوں نے صحابہ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب، مذاہب فقہا کے اختلاف کے اسباب، اہل حدیث اور اہل الرائے کے اختلاف کے اسباب پر گفتگو کی ہے، نیز ابتدائی صدیوں میں فقہ کے سلسلہ میں لوگوں کے رویے اور بعد کے

---

[1] شاہ صاحب کے اساتذہ حرمین میں، شیخ ابوطاہر مدنی شافعی تھے، شیخ وفد اللہ مالکی تھے، اور شیخ تاج الدین قلعی حنفی تھے، جبکہ عام طور پر فقہ حنبلی کا رواج تھا۔

[2] التفہیمات الالٰہیہ اول ص ۲۱۴

[3] خدا بخش لائبریری پٹنہ میں شیخ محمد بلگرامی الہ آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مکمل نسخہ بخاری شریف کا موجود ہے یہ نسخہ شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے اس پر ایک اجازت نامہ انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں صراحت ہے "کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ابو ودود ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین العمری نسبا، الدہلوی وطنا، الاشعری عقیدتا الصوفی طریقتا الحنفی عملا والحنفی والشافعی درسا" یہ تحریر ۱۱۵۹ھ میں لکھی گئی ہے۔

ادوار کے فقہی حالات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے ضخیم کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ دار النفائس بیروت سے بھی شائع ہو چکی ہے [1] اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب نے کیا ہے۔ اس موضوع پر شاہ صاحب کی دوسری کتاب "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحب نے اجتہاد کے احکام اور شرائط مجتہد کے اقسام اور اوصاف، مذاہب اربعہ کی تقلید، علماء کی تقلید دوسرے علماء کے لیے جیسے مسائل پر گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب اردو ترجمہ "سلک مروارید" کے ساتھ ۱۳۱۰ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ اور التفہیمات الالٰہیہ میں بڑی قیمتی بحثیں شامل ہیں۔

مغلیہ دور حکومت کے فقہی جمود کے تناظر میں اگر شاہ صاحب کی کوششوں کو دیکھا جائے تو بالکل منفرد اور ممتاز معلوم ہوتی ہیں۔ شاہ صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ابتدائی صدیوں میں جب فقہی مکاتیب کی تشکیل نہیں ہوئی تھی لوگ کسی ایک فقیہ کے پابند نہ تھے جس عالم سے چاہتے مسئلہ دریافت کر کے عمل کر لیتے تھے مگر بعد میں مکاتیب فقہ وجود میں آئے اور ہر فقیہ کے تلامذہ اور متوسلین کا حلقہ پیدا ہو گیا وہ اپنے امام کی پیروی کرنے لگے اور دوسرے ائمہ سے ان کا واسطہ نہ رہا، بعد میں یہ صورت حال خراب ہو گئی اور معاملہ صرف اپنے امام کے اتباع تک محدود نہ رہا بلکہ دوسرے ائمہ اور ان مسلک کی تردید و تنقیص تک جا پہونچا، لوگ قرآن و حدیث سے اپنے ائمہ کی ہر بات کو ثابت کرنے میں اور دوسرے کو غلط ٹھہرانے میں لگ گئے۔ شاہ صاحب عوام کو ائمہ اربعہ کی تقلید سے نکلنے کا مشورہ نہیں دیتے مگر وہ علماء دین پر اپنی اجتہادی بصیرت سے کام لینے کے لیے زور دیتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں شاہ صاحب کی بالغ نظری اور اجتہادی صلاحیت ہی کی بنا پر بعد کے علماء ان کو مجتہد قرار دیتے ہیں چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں کہ "ہم شاہ ولی اللہ صاحب کو حنفی اور شافعی ہر دو فقہ میں مجتہد منتسب مانتے ہیں [2] چنانچہ جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام یعنی حجاز میں پاتے ہیں اور بالجملہ تمام مسلمانوں کو اپنا

---

[1] فریدی وجدی کلنے دائرۃ المعارف کے مادہ "جہد" میں پوری کتاب کو شامل کر لیا ہے۔

[2] شاہ صاحب نے مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کے فرق کو اس طرح واضح کیا ہے۔ مجتہد مستقل وہ ہوتا ہے جس کے اندر تین باتیں موجود ہوں (۱) ان اصول و قواعد میں جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے وہ بطور خود تصرف کرے (۲) ممکن حد تک احادیث اور آثار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرے۔ اور ان کے احکام کو اپنے دائرہ معلومات میں اچھی طرح سمیٹ لے، اس امر سے پوری طرح باخبر ہو کر کون سی حدیثیں فقہ کا ماخذ ہیں پھر یہ کہ وہ مختلف روایات میں تطبیق و ترجیح دے سکے اور مفہوم کی تعیین کر سکے (۳) ان فروعی مسائل کا اپنے اجتہاد سے جواب دیتا جائے۔ (بقیہ اگلے صفحہ)

مخاطب بناتے ہیں تو ان کے نزدیک حنفی اور شافعی فقہ میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا جائز ہے لیکن جب وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرتے ہیں تو اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے طریقہ پر فقہ حنفی کی پابندی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ خالص حنفی فقہ کے مجتہد نظر آتے ہیں [1] ڈاکٹر مظہر بقا نے شاہ صاحب کی دو تصانیف المسوی اور مصفی کا تتبع کر کے پینتالیس مسائل درج کیے ہیں جن میں شاہ صاحب کا رجحان امام شافعی کی طرف ہے [2]

شاہ صاحب نے آخر وقت میں مسلمانوں کو جو نصیحت کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ "مسائل میں ان علماء محدثین کی پیروی کریں جو فقہ اور حدیث کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی مسائل کو کتاب و سنت پر پرکھیں جو کچھ موافق ہو اسے قبول کریں ورنہ چھوڑ دیں، امت مسلمہ کو کسی بھی وقت اپنے مجتہدات کو کتاب و سنت پر پرکھنے سے استغنا نہیں ہے اور متقشف فقہاء جنھوں نے کسی عالم کی تقلید کو دستاویز بنا کر سنت کی تلاش و تتبع کو چھوڑ رکھا ہے کی طرف متوجہ نہ ہوں اور ان سے دور رہ کر خدا کا قرب حاصل کریں [3] مولانا ابوالکلام آزاد م ۱۹۵۸ء کے والد فرماتے تھے کہ جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین [4] نے ان کے سر پر دستار

(بقیہ حاشیہ ص۶۶) جو اس کے سامنے لائے جائیں جن کا اس سے پہلے جواب نہ دیا گیا ہو۔ مجتہد منتسب وہ ہوتا ہے جو مذکورہ پہلی صفت میں بجائے خود کوئی مستقل مقام نہ رکھتا ہو، بلکہ کسی مجتہد کا مستقل کا پیرو ہو اور اسی کے مقرر کیے ہوئے اصولوں کو جوں کا توں مان لیا ہو مگر دوسری اور تیسری صفت سے خود متصف ہو، ملاحظہ ہو الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص۸۰-۸۱، امام غزالی نے مجتہد مستقل کے لیے آٹھ شرطیں بیان کی ہیں (۱) قرآن کا علم (۲) سنت کا علم (۳) اجماع کا علم (۴) نحو کا علم (۵) نصب ادلہ کا علم (۶) عقل (۷) ناسخ و منسوخ کا علم (۸) علم روایۃ کا علم دیکھیے المستصفی ۲/۳۵۰، قاضی شوکانی نے چھ شرطیں بیان کی ہیں (۱) قرآن کا علم (۲) سنت کا علم (۳) مسائل اجماع کا علم (۴) عربی زبان کا علم (۵) اصول فقہ کا علم (۶) ناسخ و منسوخ کا علم۔ دیکھیے ارشاد الفحول ص۲۳۳ شاہ صاحب نے بھی الاجتہاد والتقلید میں یہ بحث کی ہے۔

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۱۹۴

[2] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص۴۹۱-۹۷، [3] التفہیمات الالٰہیہ دوم ص۲۴۰، [4] شاہ فخر الدین مشہور صوفی عالم تھے ۱۱۲۶ھ کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اپنے والد کے شاگرد اور مرید تھے، نظام العقائد، رسالہ مرجیہ، فخر الحسن اور رسالہ عین الیقین ان کی کتابیں ہیں اور ایک مجموعہ ملفوظات بھی ہے ۱۱۶۵ھ میں دہلی تشریف لائے، بہادر شاہ ظفر م ۱۸۶۲ء ان کے مرید تھے ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی، ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی ص۲۱ نیز دیکھیے تاریخ مشائخ چشت ص۲۳۴

فضیلت باندھی تھی اور جب پگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا کہ تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کردو، دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا[1]

علم کلام

علم کلام — شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے علم کلام یا حکمت شریعت کے میدان میں بھی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اور یہ خدمات اس قدر وقیع ہیں کہ اسلامی فلسفہ کے سرمایہ میں اضافہ قرار دی جاتی ہیں، یہی شاہ صاحب کا وہ امتیازی وصف ہے جو ان کو معاصرین اور متاخرین سے ممتاز کرتا ہے اور متقدمین کے صف اول کے علماء کے برابر لے جاتا ہے۔

شاہ صاحب کے عہد کے ہندوستان میں منطق و فلسفہ کا بڑا زور اور چرچا تھا۔ اس فن کے بغیر کوئی شخص عالم و دانشور ہو ہی نہیں سکتا تھا، مگر یہ منطق و فلسفہ عقلی موشگافی، لفظی بازی گری اور لاحاصل بحثوں کا ہم معنی ہو چکا تھا اور اسلامی فلسفہ محض ایک قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ منطق و فلسفہ کی یہ گرم بازاری سرزمین ایران کی مخصوص علمی فضا کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی جو عرصہ دراز تک عقلیت کا مرکز رہی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی م ۱۹۵۶ء کے بقول "جو ملک (ہندوستان) اب تک صرف تصوف و فقہ کی جولان گاہ تھا اب ان علوم سے ہٹ کر آہستہ آہستہ اس کا میلان ایرانیوں کے ان لفظی گورکھ دھندوں کی طرف فلسفہ اور منطق یا عقلیات کے پرشوکت ناموں سے بڑھنے لگا"[2]

شاہ صاحب نے اس ماحول میں اسلامی فلسفہ حیات اور تصور ثقافت سے لوگوں کو متعارف کرایا، فلسفیانہ بحثوں کا رخ اسلامی عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت اور سیاست و معیشت کی حکمت اور اسرار و رموز کے انکشاف کی طرف موڑا، اور دین کی کلیات سے لے کر جزئیات تک کو عقلی انداز پر پیش کر کے یعنی اصطلاح Rationalize کرنے کی کوشش کی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کا تبصرہ یہ ہے کہ:

"آپ نے بجائے اوہام و خرافات کے قرآن و حدیث کے کلیات سے خود ایک فلسفہ تیار کیا اور جو لوگ ذہنی تمرین کے لیے لایعنی خیالات میں وقت ضائع کرتے تھے ان کے لیے شاہ صاحب نے غور و فکر کا ایک بڑا میدان پیش کیا"[3]

کسی بھی عقیدہ یا نظریہ کی قدر و قیمت دو اعتبار سے پرکھی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس عقیدہ کی عقلی اور نظری

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۴ — [2] تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۷۹

[3] تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۱۷۶

حیثیت کیا ہے اور علمی استدلال سے اسے کس حد تک ثابت کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عملی میدان میں وہ عقیدہ کس حد تک انسان کے لیے نفع بخش ہے، انسان کی زندگی پر اس کے کس قسم کے اثرات پڑتے ہیں اور انسان کے اندر وہ عقیدہ کیسی تبدیلی لاتا ہے۔ مسلمانوں کا پورا سرمایہ علم کلام پہلے رخ کی وضاحت کرتا ہے۔ دوسرے رخ پر بہت کم ہی کوشش کی گئی۔ پھر کلیات کی عقلی حیثیت پر یقیناً بہت کچھ لکھا جا چکا تھا مگر جہاں تک احکام شرعیہ کی حکمت اور اثرات کا تعلق ہے اس پہلو کو کم ہی علماء نے بحث و تحقیق کا موضوع بنایا[1] خصوصیت کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور نہایت خوبصورتی اور وضاحت سے حدود بحث کا احاطہ کیا۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ متقدمین اور متاخرین دونوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی م ۱۳۳۲ھ شاہ صاحب کے اس کارنامہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"شاہ صاحب کے زمانہ میں علم کلام کا جو سرمایہ موجود تھا وہ صرف اشاعرہ کی تصنیفات تھیں شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت بھی اسی طریقہ کے موافق ہوئی تھی۔ لیکن ان کی ایجاد پسند طبیعت پر ان چیزوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور انھوں نے علم کلام کے مسائل بالکل نئے اصول کے موافق ترتیب دئے، اشاعرہ کے جو ممیزات ہیں شاہ صاحب عموماً ان کے مخالف ہیں"[2]

شاہ صاحب اور قدیم متکلمین کے کاموں میں جو فرق محسوس ہوتا ہے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قدیم متکلمین کے مباحث اس خاص دور کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں ان کو مخصوص عقلی مباحث اور رجحانات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اسی کے مطابق انھوں نے مباحث اور انداز بحث بھی مدون کئے تھے، بعد کے ادوار میں ان میں سے بیشتر مباحث دور از کار ثابت ہوئے کیونکہ ایسا کوئی عقلی چیلنج سامنے نہ رہا جب کہ شاہ صاحب کا کام کسی وقتی چیلنج پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ شریعت کے اعتقادی اور عملی مطالبات کو ایسے انداز میں سامنے لاتا ہے کہ وہ عام عقل کو اپیل کر سکے اور یہ بتا سکے کہ اسلام ہی عقلی اور فطری مذہب ہے۔ اس موضوع پر شاہ صاحب کی معرکہ آرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ اس کے مقدمہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا ہوا تھا جس کا جواب عرب و عجم سے نہ ہو سکا

---

[1] علامہ ابن قیم الجوزیہ م ۷۶۱ھ احکام شریعت کی حکمت و اثرات کے بیان کرنے میں شاہ ولی اللہ کے پیش رو نظر آتے ہیں، چنانچہ اعلام الموقعین میں انھوں نے حکمت احکام پر گرانقدر بحث کی ہے دیکھیے اعلام الموقعین ج اول تا چہارم، تاہم اختصار و جامعیت اور نکتہ رسی میں شاہ صاحب کا کام ممتاز ہے۔

[2] علم الکلام ص ۱۲۳-۲۴

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت عطا کی گئی وہ بھی معجزہ تھی، کیونکہ ایسی شریعت کا وضع کرنا جو ہر لحاظ سے کامل ہو انسانی طاقت سے باہر ہے اس لیے جس طرح قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں ناگزیر ہے کہ اس معجزہ کے متعلق بھی مستقل تصنیف کی جائے[1] پھر وہ لکھتے ہیں کہ "اہل بدعت نے اکثر اسلامی مسائل کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عذاب قبر، حساب، پل صراط، میزان وغیرہ کا عقل سے کیا تعلق ہے۔ رمضان کے آخری دن کا روزہ واجب ہو اور شوال کی پہلی تاریخ کا حرام، اس کے کیا معنی؟ ترغیبات و ترہیبات کے متعلق جو کچھ شریعت میں وارد ہے وہ مضحکہ خیز ہے۔ غرض منکرین اس قسم کے بہت سے اعتراضات کرتے ہیں ان کو یہ باور کرانا ضروری ہے کہ شریعت کی تمام باتیں عقل کے موافق ہیں"[2]

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ از اول تا آخر شریعت کے مبادی اور احکام کی حکمتوں اور مصالح کے بیان پر مشتمل ہے جلد اول میں ایجاد و تخلیق، تدبیر، دنیا اور عالم مثال، انسانی فطرت اور احکام، زندگی بعد موت اور اس کی تفصیلات ارتفاقات انسانی، سیاست، معیشت، اقتصاد، معاشرت، سعادت کی نوعیت اور اس کے حصول کا طریقہ نیکی اور گناہ کی ماہیت، شرک و ایمان کے مضمرات، احکام کے اسرار و رموز۔ دین و شریعت کی مصلحت اور تفصیلات، رسوم و رواج کی ابتدا اور ماہیت شریعت کی تقسیم، کتاب و سنت سے استفادہ کی شکل، فقہی مکاتب کے اختلاف کی نوعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے اسرار وغیرہ زیر بحث آئے ہیں۔ دوسری جلد میں حج کعبہ کے مناسک و اسرار و رموز اور ذیلی احکام کی تفصیلات، احسان اور تزکیہ کے مباحث، ذکر و فکر مقامات و احوال، شکر و توکل، صبر، یقین، حسن ظن، رویا وغیرہ کے اسرار، حصول رزق کے طریقے، خرید و فروخت کے اسرار و احکام، خلافت، قضا اور جہاد کے مباحث شامل ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۸۶ھ میں شرکۃ امین دہلی سے شائع ہوئی، اس کے بعد متعدد بار دہلی، مصر، پاکستان اور بیروت سے طبع ہوئی۔ اس کے متعدد اردو تراجم بھی معروف ہیں۔ آج کے دور میں حجۃ اللہ البالغہ کا سمجھنا گویا علم اسرار شریعت کا اعلیٰ درجہ ہے یہ کتاب دینی مدارس میں درجہ علیا کے طلبا کو پڑھائی جاتی ہے[3]

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ [2] ایضاً

[3] فقہ السنۃ کے مصنف سید سابق لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اسلامی شریعت کے اسرار و رموز کے علم میں اپنے موضوع پر ایک نادر اور اچھوتی کتاب ہے، "اس کا اسلوب درخشندہ ہے سلامت منطق قوت عبارت، خالص عربیۃ اور محکم دلیل کا مرقع ہے" یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس کا مولف علوم عقلیہ اور فکر اسلامی کے اساطین میں سے ایک ہے الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص۱۲ ترجمۃ المولف نیز دیکھیے دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ تعلیق از شیخ محمد شریف سکر، دار احیاء العلوم بیروت ۱۹۹۰ء

شاہ صاحب نے علم کلام اور حکمت شریعت پر مزید دو اصولی انداز کی کتابیں لکھی ہیں مگر ان میں احکام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، امور الٰہیات اور انسان کی جبلی اور اجتماعی زندگی سے بحث کی گئی ہے۔ ایک تو البدور البازغہ ہے یہ کتاب عربی میں لکھی گئی ہے اور حجۃ اللہ کے بعد دوسرے نمبر پر رکھی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں حجۃ اللہ البالغہ کے مقابلہ میں متنوع مضامین فلسفیانہ رنگ میں بیان کیے گئے ہیں ۱۳۵۴ھ میں مجلس علمی ڈھابیل گجرات سے شائع ہوئی ہے۔ دوسری کتاب الخیر الکثیر ہے اس کتاب کے مباحث مذکورہ دو کتابوں سے اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ اس میں توحید، رسالت، قرآن، احوال و مراتب، شریعت، کے نشوونما اور ارتقا سے بحث کی گئی ہے اور انداز بحث فلسفیانہ ہے یہ کتاب بھی مجلس علمی ڈھابیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب نے اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں موثر طریقہ پر حسن العقیدہ میں بیان کیا ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اور العقیدۃ الحسنہ کے نام سے بھی معروف ہے، اس کی شرح مولانا اویس نگرامی نے العقیدہ السنیۃ کے نام سے کی ہے حضرت مجدد الف ثانی کے رسالہ رد روافض کا عربی میں شاہ صاحب نے المقدمۃ السنیۃ فی الانتصار للفرقۃ السنیہ کے نام سے ترجمہ کیا ہے[1] اس میں اہل تشیع کے گمراہ کن خیالات اور اعمال کا محاسبہ کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی شاہ صاحب کا عقلی اور استدلالی انداز نمایاں ہے مثال کے طور پر التفہیمات الالٰہیۃ (دو جلدیں) کو دیکھا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب کے اس کارنامہ کی قدر و قیمت کیا ہے اس کا اندازہ مولانا شبلی کے اس بیان سے ہو سکتا ہے "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے"[2]

تصوف

شاہ صاحب کی علمی خدمات کا ایک وسیع میدان تصوف ہے۔ تصوف ایک متنازع فیہ اصطلاح ہے، بہت سے علما شدت سے تصوف کے مخالف ہیں جب کہ دوسرے بعض اسی شدت سے اس کی حمایت بھی کرتے ہیں۔ ہندوستان میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی اس وقت تک بلکہ بعد میں بھی

---

[1] یہ ترجمہ شاہ صاحب نے قیام حجاز کے دوران اپنے استاذ ابراہیم مدنی کی خواہش پر کیا تھا۔ یہ کتاب فارسی متن کے ساتھ المجموعۃ السنیہ کے نام سے شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ [2] علم الکلام ص۱۱۷

تصوف کے چودہ خانوادے رائج رہے ان میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کو خاص طور پر وسعت اور شہرت ملی[۱] ان چاروں سلسلوں میں نقشبندیہ سلسلہ اس اعتبار سے ممتاز سمجھا جاتا ہے کہ اس میں شریعت کی پیروی پر زور دیا جاتا ہے اور وجد و سماع وغیرہ پر پابندی ہے نیز اس سلسلہ کا شجرہ سلوک حضرت علیؓ کے بجائے ابوبکرؓ سے ملتا ہے۔ اسی سلسلہ سے خواجہ باقی باللہؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ عبدالرحیمؒ، مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اکابر روزگار وابستہ تھے، مذکورہ حضرات سے شاہ صاحب کا معاملہ قدرے مختلف یوں ہے کہ شاہ صاحب اگرچہ نقشبندیہ سلسلہ سے بیعت ہیں مگر ان کے نزدیک دوسرے تین سلسلوں کو بھی یکساں اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان میں الگ الگ خصوصیات پائی جاتی ہیں[۲] اسی لیے شاہ صاحب ان تمام سلسلوں سے استفادہ کے قائل ہیں۔

تصوف کے باب میں شاہ صاحب کا ایک قابل ذکر کام یہ بھی ہے کہ انھوں نے گمراہ کن صوفیوں اور ملحدانہ تصوف پر سخت تنقید کی ہے اور عوام کو اس سے خبردار کیا ہے۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں گمراہ صوفیوں کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی تھی جس کو شاہ صاحب نے آٹھ گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ گروہ جو عورتوں کا لباس زیب تن کرتا ہے اور پاؤں اور گلے میں زیور پہنتا ہے اس گروہ کا پیشوا موسی سہاک ہے جس کی قبر احمد آباد میں ہے، عوام کی بڑی تعداد اس گروہ کی پیروی کرتی ہے۔

(۲) دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جس نے بے ریش لڑکوں کے نظارے کو پیشہ بنالیا ہے اور شراب نوشی اور دیگر منشیات کو اختیار کرلیا ہے، اس قسم کے لوگ اپنے آپ کو عراقی اور مولانا روم سے منسوب کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا گروہ ان صوفیوں کا ہے جو ہر طرح کی منشیات کے عادی ہیں۔ اور ہمیشہ مجرد رہتے ہیں یا یہ قلندروں کی جماعت ہے اور سلسلہ قادریہ و سہروردیہ سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا گروہ مشائخ کے وجد و سماع کو اختیار کیے ہوئے ہے اور اس کی نمائش کرتا ہے۔

(۵) پانچواں گروہ ان لوگوں کا ہے جن پر اویسی نسبت کا پرتو ہے مگر اوہام اور نفسیاتی خیالات میں غرق ہیں۔

(۶) چھٹا گروہ ان صوفیوں کا ہے جن کا دماغ چل گیا ہے اور اس عارضہ کی وجہ سے ان کے حواس معطل ہوگئے ہیں اس لیے ان کو بیداری میں وہ کچھ نظر آتا ہے جو لوگوں کو خواب میں نظر آتا ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو مقدمہ سیر المتاخرین ص۲۷۴

[۲] التفہیمات الالٰہیہ اول ص۸۵ نیز ملاحظہ ہو شاہ صاحب کا مکتوب، حیات ولی ص۴۹۸

(۷) ساتواں گروہ بھی وسوسہ میں گرفتار ہے۔

(۸) آٹھواں گروہ ترک لحم اور ترک تزوج اختیار کرنے والوں کا ہے[۱]

شاہ صاحب نے اس قسم کی حرکات اور ایسے صوفیا سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ نیز تصوف کے نام پر دنیا کمانے والوں کو ڈاکو، کذاب، دجال اور فتنہ پرور قرار دیا ہے[۲] انھوں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"اس دور کے مشائخ کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہیں کرنی چاہیے، اور غلو، عام سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور نہ کرامت سے دھوکہ کھانا چاہیے۔ اس لیے کہ عوام کا اکثر تعلق غلو رسم کی وجہ سے ہے اور رسمی امور کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔"[۳]

اس کے باوجود شاہ صاحب نے خود تصوف سے نہ صرف اشتغال رکھا بلکہ اس پر متعدد تصانیف بھی رقم کیں اور اپنے آپ کو صوفی بھی کہا اس سلسلہ میں دو باتیں شاہ صاحب کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ شاہ صاحب جس زمانہ اور ماحول میں پیدا ہوئے اس میں ان کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ اپنے اصلاحی اور تجدیدی کام کا آغاز ایسے طریقے سے کریں جو عوام و خواص کے لیے اجنبی بن کر رہ جائے اور لوگ اسے قبول ہی نہ کریں چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں "مشرق و مغرب میں صوفیا کی قبولیت اور ان کی اطاعت پر لوگوں کا اتفاق ہے یہاں تک کہ ان کے اقوال اور احوال کتاب و سنت سے زیادہ لوگوں کے دلوں سے وابستہ ہیں، ان کی ساری چیزیں یہاں تک کہ ان کے رموز و اشارات بھی لوگوں میں رائج ہوچکے ہیں۔ اب جو کوئی ان کے رموز و اشارات کا انکار کرے گا اور ان سے کنارہ کش ہوگا وہ مقبول نہ ہوسکے گا اور اس کا شمار صالحین میں نہ ہوگا۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ منبر پر خطبہ دینے والا کوئی واعظ ایسا نہیں ہے جس کے کلام میں صوفیا کے اشارات شامل نہ ہوں۔ لوگوں کو تعلیم دینے والا کوئی عالم ایسا نہیں ہے جو صوفیا کے کلام میں اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ امرا کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہے جس میں صوفیا کے اشعار اور نکات زبان زد نہ ہوں"[۴] اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ وہ قرآن و حدیث کے ساتھ تصوف کے پیرایہ میں بھی اپنی بات کہیں اور صوفیانہ مزاج رکھنے والوں سے تصوف کی زبان میں کلام کریں اس کا اعتراف خود شاہ صاحب نے کیا ہے[۵]

---

[۱] التفہیمات الالٰہیہ اول ص۱۱۳ [۲] التفہیمات الالٰہیہ اول ص۲۱۴، [۳] ایضاً ص۲۴۰

(یہ وصیت نامہ الگ سے المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ کے نام سے شائع ہوا ہے)

[۴] ایضاً ص۸۲ [۵] ایضاً ص۸۳

دوسری طرف شاہ صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ارباب تصوف پر گفتگو کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان بزرگوں کے ہر طبقہ کے اقوال و احوال کو ان کے زمانہ کے ذوق کے مطابق جانچنا چاہیے، اس معاملہ میں یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم ایک عہد کے ارباب تصوف کے اقوال و احوال کو دوسرے عہد کے معیاروں پر ناپتے پھریں [1] اس اصول کو خود شاہ صاحب پر بھی منطبق کرنا چاہیے، اور اس صورت حال میں تصوف کی اصلاح میں شاہ صاحب کی گفتگو ان کی دوسری خدمات سے متضاد نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ ایک وقتی ضرورت اور تقاضائے مصلحت بن جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شاہ صاحب شریعت کی تمام تر پیروی کا ہی ایک حصہ تزکیہ و احسان کو سمجھتے ہیں اگرچہ وہ اس احسان کی تشریح کرتے ہوئے کہیں کہیں تصوف کے ان مقامات و احوال اور نظام پر آجاتے ہیں قرآن و سنت سے جن کا ثبوت نہیں ملتا [2] تاہم شاہ صاحب پھر تصوف کے اسی پہلو یعنی احسان کی طرف رجوع کرتے ہیں بلکہ وہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ ان کی لسان جلی اشاعت حدیث کی طرف مائل ہے۔ کیونکہ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بدعتی مذاہب کی جڑیں کاٹتا ہے اور لسان خفی کسب احسان کی طرف مائل ہے جس کے تین درجے ہیں (۱) پہلا درجہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کسب معاش وغیرہ میں مشغول ہیں مثلاً فوجی، طالب علم، صنعت گر، یہ درجہ لسانی ذکر کا ہے مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ اور لا الٰہ الا اللہ، دوسرا درجہ ان لوگوں کے لیے ہے جو راہ حق کے سلوک میں دلچسپی لیتے ہیں یعنی جن کے پاس فرصت ہے۔ یہ درجہ ذکر بالجہر، کثرۃ صوم اور تہجد و اعتکاف کا ہے مگر اس کے لیے ہے جس کی جبلت قوی ہو، اور ذکر خفی اس کے لیے ہے جس کی جبلت کمزور ہو۔ تیسرا درجہ ان لوگوں کے لیے ہے جو فنا اور بقا کے حصول میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کو توحید محبت، پھر توحید افعال پھر توحید صفات پھر توحید ذات پھر یادداشت پھر دوام کی ہدایت دی جاتی ہے یہاں تک کہ ان کا نفس ان کے رنگ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ [3] شاہ صاحب فلسفہ آمیز اور خرافات و اوہام سے آلودہ تصوف کی جس شدت کے ساتھ نفی اور ابطال کرتے ہیں اسی شدت کے ساتھ اس تصوف سے وابستگی پر زور دیتے ہیں جو شریعت کے تابع ہے اور تزکیہ و احسان کے ہم معنی ہے۔ بہرصورت شاہ صاحب نے تصوف سے متعلق حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(۱) الطاف القدس (فارسی) یہ کتاب فلسفہ تصوف، مقامات نفس اور لطائف تصوف سے بحث کرتی ہے۔

---

[1] ہمعات ص ۶ [2] اسی لیے مولانا سید سلیمان ندوی م ۱۹۵۳ء بہت احتیاط کے ساتھ شاہ صاحب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں دیکھیے دیباچہ القول الجمیل (اردو ترجمہ) از ابوالحسن زید فاروقی، [3] التفہیمات الالٰہیہ ص ۸۶-۸۷

اس میں انسان کی باطنی قوتوں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ مطبع احمدی دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) فیوض الحرمین (عربی) یہ کتاب حرمین کے مشاہدات منام اور روحانی معرفت سے متعلق ہے۔ مطبع احمدی دہلی سے اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی ہے۔

(۳) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) یہ کتاب شیخ اور مرید، بیعت وغیرہ کے آداب، تاریخ اور نظام تصوف پر لکھی گئی ہے۔

(۴) سطعات (فارسی) یہ کتاب فلسفہ تصوف اور کلام دونوں سے بحث کرتی ہے۔ ۱۹۲۹ء میں مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوئی تھی، اب کراچی اور حیدرآباد (پاکستان) سے بھی شائع ہوئی ہے۔

(۵) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی) یہ رسالہ تصوف کے مختلف سلسلوں کی تاریخ اور نظام پر لکھا گیا ہے ۱۳۱۱ھ میں مطبع احمدی دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۶) ہمعات (فارسی) اس میں تصوف کے نشوو ارتقا کے چار ادوار سے گفتگو کی گئی ہے شاہ صاحب نے اس میں ان ادوار کی خصوصیات بھی بتائی ہیں، کتاب تحفہ محمدیہ دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۷) شفاء القلوب (فارسی)

(۸) تفہیمات الالٰہیہ (فارسی، عربی) اس کتاب میں تصوف کے متفرق مباحث شامل ہیں کتاب دو جلدوں میں ہے اور المجلس العلمی ڈابھیل سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ہے، اس میں فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود یا المکتوب المدنی بھی شامل ہے۔

(۹) لمعات (فارسی)

(۱۰) کشف الغین عن شرح الرباعیتین (فارسی) یہ رسالہ خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی شرح ہے ۱۳۱۰ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔

(۱۱) فتح الودود لمعرفۃ الجنود (عربی)

ان کے علاوہ شیخ عبداللہ بن عبدالباقی کے خط کے جواب میں اپنے کشف کے مطابق شاہ صاحب نے ایک رسالہ لکھا نیز ابوالحسن شاذلی کی دعائیہ نظم "حزب البحر" کی شرح ہوامع کے نام سے لکھی ہے یہ شرح اپنے مباحث اور اسلوب کے لحاظ سے سطعات کے مشابہ ہے

سیرت

سیرت و سوانح سے متعلق شاہ صاحب کی متعدد گرانقدر کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کا موضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، فضیلت شیخین، خلفائے اربعہ کی خلافت، شاہ صاحب کے آباؤ اجداد کے

حالات اور شیوخ و اساتذہ کی سوانح ہے۔ ان موضوعات پر لکھتے وقت شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کا جذباتی اور تصوراتی پس منظر مختلف رہا ہے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھتے وقت جس طرح ہر مسلمان عقیدت و محبت اور جذبہ اطاعت سے سرشار ہوتا ہے ٹھیک اسی جذبہ سے شاہ صاحب نے بھی شانِ محمدی میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، سیرت کے موضوع پر شاہ صاحب کی کوئی باضابطہ تصنیف نہیں ہے بلکہ اس خدمت کے لیے انھوں نے اشاعت حدیث ہی کو ذریعہ بنایا ہے البتہ ان کے نعتیہ قصیدہ کا عربی مجموعہ "الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" موجود ہے۔ یہ مجموعہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا، دوسری ابن سید الناس کی سیرت پر معروف کتاب "نور العیون فی سیر الامین والمامون" کا فارسی ترجمہ سرور المحزون ہے اس میں آنحضورؐ کی حیات مبارکہ کا خلاصہ ہے یہ کتاب مطبع جیون پرکاش دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

خلفاء اربعہ پر بھی آپ نے کوئی کتاب ان کے حالات زندگی مرتب کرنے کی غرض سے نہیں لکھی بلکہ روافض نے خلفاء ثلاثہ اور دیگر اصحاب رسولؐ کی توہین و تنقیص، ان پر الزام تراشی اور ان کے سلسلہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا اس کے پیش نظر انھوں نے قلم اٹھایا۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" ہے یہ کتاب فارسی میں ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت ابوبکر الصدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت کے اثبات میں لکھی گئی ہے، شاہ صاحب حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت کے دوسرے وجوہ سے قائل ہیں مگر فی الجملہ شیخین کی فضیلت کے اثبات کو ضروری سمجھتے ہیں دوسری مشہور زمانہ کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور اسی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اس میں نہ صرف خلفاء اربعہ کے حالات اور ان کے خصائص کا احاطہ کیا ہے بلکہ نظریہ خلافت، استحقاق خلافت، خلیفہ کے شرائط، قرآن و حدیث سے خلافت اور خلفا کے ثبوت اور طریقہ خلافت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے، اس سے اسلام کے اس اہم ادارہ پر جس کے اثبات کو شاہ صاحب نے اصول دین میں سے قرار دیا ہے، اچھی روشنی پڑتی ہے۔ خلافت انبیاء کی نیابت ہے اور یہ اسلامی نظام حیات کی قوت نافذہ ہے، اس کے تحت اسلام کا پورا نظام حرکت کرتا ہے۔ شاہ صاحب خلافت کی تعریف کرتے ہیں کہ خلافت جمہوری ریاست (الریاستہ العامہ) کا نام ہے، جو اقامت دین کے کام کی تکمیل کے لیے وجود میں آئی ہے، اس "اقامت دین" کے دائرہ کار میں علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کا قیام، جہاد اور اس کے متعلقات کا انتظام، مثلاً لشکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ لینے والوں کے حقوق اور مال غنیمت میں ان کے حصے، نظام قضا کا قیام، حدود کا اجرا، مظالم کا ازالہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی شامل ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور نمائندگی کا اقتضا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کیا ہے، اور خلفاء اربعہ کس طرح سے نائب ہوئے، شاہ صاحب اس کے متعلق وضاحت کرتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق استفادہ کیا اور اس کے مطابق مختلف دینی شعبے میں منصب خلافت و نیابت پر فائض ہوئے مثلاً فقہ و قرأت میں عبداللہ بن مسعودؓ قضا میں معاذ بن جبل، علم فرائض میں زید بن ثابت اور ان میں جو قریش تھے اور ریاست کا بار اٹھانے کی اہلیت رکھتے تھے وہ خلافت مطلقہ کے مستحق ہوئے"

ازالۃ الخفاء اپنے موضوع، مباحث، استدلال اور نتائج کے لحاظ سے ایک منفرد کتاب ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے بعد شاہ صاحب کا یہ دوسرا شاہکار ہے یہ کتاب مطبع صدیقی بریلی سے شائع ہوئی تھی اور اب سہیل اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے آباء و اجداد اور اساتذہ کی سیرت و سوانح پر "انفاس العارفین" لکھی ہے اس کتاب میں حسب ذیل سات رسالے شامل ہیں۔

(۱) بوارق الولایۃ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) امداد فی ماثر الاجداد (۴) النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیہ (۵) العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمۃ عبد الضعیف۔

یہ کتاب اگرچہ تذکرہ نویسی میں ان کے اسلوب نگارش کا پتہ دیتی ہے۔ مگر اس میں شاہ صاحب کا معروف محدثانہ اور محققانہ انداز نہیں ملتا اسی وجہ سے یہ کتاب آج تک علماء میں مقبول نہیں ہوئی ۱۹۱۷ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی [1]

تدوین علوم

شاہ صاحب کی بعض کتابیں علوم و فنون کی تدوین اور طریقہ تعلیم سے متعلق ہیں۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا جو نصاب رائج تھا اس میں قرآن و حدیث کے علاوہ ان علوم

---

[1] ہمارے علماء اور محدثین کے یہاں یہ عجیب تضاد پایا جاتا ہے کہ جس طرح وہ احادیث، عقائد و احکام اور امور دین کی چھان بین کرتے ہیں اور تحقیق و تنقید کے بعد احتیاط کی زبان سے ان کو بیان کرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں اور آباء و اجداد کے سلسلہ میں بالکل اس طرز تحقیق کو نہیں اختیار کرتے بلکہ سنی سنائی بات کو عقیدت کی زبان سے ادا کرتے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے یہاں بھی اخبار الاخیار کا مواد اور انداز ان کی دوسری علمی کتابوں سے یکسر مختلف معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے کتاب کا پہلا باب جس میں انھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات اور واقعات لکھے ہیں۔ اور یہی طرز فکر شاہ صاحب کا اپنے آباء اجداد کے سلسلہ میں ہے دیکھئے مثلاً فیوض الحرمین ص ۲۳

کی کثرت تھی جن کو امدادی علوم کہا جاسکتا ہے۔ قرآن وحدیث پر زور دینے کی تحریک کا تقاضہ یہ تھا کہ شاہ صاحب مروجہ علوم کی تاریخ اور مسائل پر بھی گفتگو کریں تاکہ یہ واضح ہو کہ علوم اسلامیہ کی تشکیل نو میں کس ترتیب کے مطابق مطالعہ اور تدریس کا رخ اور نہج متعین کیا جائے، اس سلسلہ کی ایک اہم تصنیف عربی زبان میں "السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم" ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحب نے تمام مدونہ علوم کو چار خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علوم عربیہ (۲) علوم شرعیہ (۳) علوم فلسفہ (۴) علوم محاضرہ۔

علوم عربیہ کے متعلق شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ اس لیے مدون کیے گئے کہ ان کے ذریعہ کلام عرب کی معرفت حاصل ہو۔ ان علوم میں علم حروف، مفردات یعنی لغت اور علم المخارج، صرف، علم الاشتقاق، علم المرکبات، علم الاعراب، علم التالیف، علم البدیع آتے ہیں۔ اور احوال شعر کا علم یعنی علم العروض، علم القافیہ علم الخط وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔ پھر ان علوم کو مدون کرنے والوں کے نام اور کام کا تذکرہ کیا ہے۔

علوم شرعیہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس کی تدوین اس لیے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن امور کے ساتھ مبعوث کیا ان کی معرفت حاصل ہو۔ ان علوم کا مرجع قرآن وسنت ہے۔ اسلاف نے علوم شرعیہ میں چار اصناف کے تحت کتابیں تحریر کیں (۱) فقہ جس میں عبادات، بیوع، میراث، خانہ داری شہروں کی سیاست، اور آداب معیشت کا ذکر ہے (۲) تفسیر جس میں نادر الفاظ کی شرح، اسباب نزول، آیات میں تطابق ناسخ ومنسوخ کا بیان وغیرہ آتے ہیں۔ (۳) سیر، اس میں آنحضورؐ کی عادات واخلاق، غزوات وسرایا اور دیگر باتیں بیان کی جاتی ہیں (۴) رقائق۔ یہ مواعظ ونصائح، جنت ودوزخ، فضائل اعمال مناقب صحابہ، ذکر واذکار اور زہد پر مشتمل ہے۔ علوم شرعیہ کے ضمن میں شاہ صاحب نے مفسرین ومحدثین اور فقہائے عظیم، اور سیرت نگاروں کے کام کا جائزہ لیا ہے۔ علوم فلسفہ یا حکمیہ کی تدوین کا سبب شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ اولاد نوح جب زمین پر پھیل گئی تو ان کے معاشی تمدنی، سماجی اور سیاسی حالات ان علوم کی تدوین کا سبب ہوئے اور ان کے ارتقا میں یونان وروم اور فارس وغیرہ نے حصہ لیا۔ شاہ صاحب نے اس ضمن میں اسلامی عہد کے علوم عقلیہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ علوم محاضرہ یعنی ملکی قوانین، مفید صنعتوں اور عجب وحکایات وغیرہ کے علوم ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے ان علوم میں پیشین گوئی، فال، کہانت، تعبیر رویا، طب جھاڑ پھونک وغیرہ شامل ہیں نیز مفید ہنر بھی ہیں جیسے تیر اندازی، خوش خطی، کیمیا، موسیقی، طباخی، کاشت کاری وغیرہ

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر اپنے موضوع پر جامع ہے۔ یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۲۱ھ میں مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

تعلیم سے متعلق شاہ صاحب کی دوسری کتاب "رسالہ دانشمندی" ہے فارسی کا یہ مختصر رسالہ بھی اپنی جگہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ دانشمندی سے ان کی مراد کتاب دانی ہے، انھوں نے اس کے تین درجے بتائے ہیں (۱) کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور اس کی ماہیت بدرجہ تحقیق حاصل کی جائے (۲) استاد کتاب کو پڑھائے اور اس کی حقیقت پورے طور پر واضح کرے[1] شاہ صاحب اس فن کو حاصل کرنے کے مختلف فوائد بتاتے ہیں جس سے علم کے حصول کی راہ آسان ہوتی ہے۔ مثلاً اس فن کے دوسرے درجہ یعنی "تدریس" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ کتاب پڑھاتے وقت استاذ کو پندرہ باتوں کا خیال رکھنا چاہیے (۱) مشکل الفاظ کی نشاندہی، (۲) نامانوس الفاظ کی تشریح (۳) مغلق مقامات کی وضاحت (۴) زیر بحث مسئلہ کی مثالوں اور مختلف صورتوں سے وضاحت (۵) دلائل کو ذہن سے قریب کر کے پیش کرنا (۶) تعریفات کے قیود اور فوائد بیان کرنا (۷) جامع اور مانع تعریف کرنا (۸) دلیل حصر واضح کرنا (۹) دو مشتبہ چیزوں میں تفریق کرنا (۱۰) دو مختلف چیزوں میں تطبیق دینا (۱۱) وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ (۱۲) حوالہ جات اور مصنف کے اشاروں کی وضاحت (۱۳) اگر شاگرد کی مادری زبان وہ نہیں جو کتاب کی ہے تو کتاب کا اس کی زبان میں ترجمہ کرنا (۱۴) مختلف توجیہات کی تنقیح اور صحیح تر توجیہ کا تعین (۱۵) تقریر آسان اور قابل فہم کرنا۔

شاہ صاحب کے نزدیک فن دانشمندی کا اطلاق، کتب معقول ومنقول، علوم برہانیہ اور خطابیہ سب پر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کے ملفوظات ومکتوبات بھی علمی ودینی نقطۂ نظر بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

شاہ صاحب کی علمی خدمات میں ان کے مکاتیب کو بھی کسی حد تک شمار کیا جاسکتا ہے — ان خطوط میں بالعموم شاہ صاحب نے علمی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ شاہ صاحب کے مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

(۱) مکتوبات مع مناقب ابی عبداللہ وافضلیت ابن تیمیہ (۲) مکتوب المعارف مع ضمیمہ مکتوبات ثلاثہ[2] (۳) مکتوبات فارسی (یہ کلمات طیبات میں شامل ہیں) (۴) مکتوبات عربی (یہ حیات ولی میں درج ہیں) (۵) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات یہ کتاب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مرتب کی ہے اور علی گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ ایک مجموعہ مکتوبات جسے مولوی عبدالرحمٰن نے مرتب کیا ہے ابھی تک قلمی ہے[3]۔

تطبیق شاہ صاحب کے پسندیدہ علمی موضوعات میں ایک موضوع "تطبیق" ہے گو کہ انھوں نے اس موضوع پر باضابطہ کوئی کتاب نہیں لکھی تاہم ان کی بیشتر تصانیف میں اس فن سے متعلق تھوڑا بہت مواد

---

[1] گویا فن دانشمندی کا مطلب مطالعہ، تدریس اور تصنیف کی Methodology سے واقفیت حاصل کرنا ہے

[2] یہ مکاتیب شاہ ابوسعید اور مولوی امین کے نام ہیں۔ مطبع الانوار سہارنپور سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئے۔

[3] اس کا قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کے عطیات میں ہے۔

موجود ہے شاہ صاحب اس موضوع کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اس کو اپنے دور کا خاص علم قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں اس دور میں یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ ہمارے سینہ میں اس امت کے علماء کے سارے علوم جمع ہو گئے ہیں۔ جن میں معقولات و منقولات اور کشف و وجدان کے علوم ہیں۔ ہمیں خدا نے یہ توفیق دی ہے کہ ایک علم کو دوسرے پر تطبیق دے سکتے ہیں اور اس طرح بظاہر ان میں جو اختلافات ہوتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں، ہر بات اپنی جگہ فٹ ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی تعارض نہیں رہتا مختلف اور متعارض اقوال میں تطبیق کا یہ اصول علم کے تمام فنون پر حاوی ہے، اس کے تحت فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ بھی آجاتے ہیں[1] نظریہ تطبیق کے تحت شاہ صاحب نے قرآن و حدیث، مختلف احادیث[2] حدیث اور فقہ، فقہی مکاتیب، اقوال صحابہ، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے

اگر قرآن اور سنت ایک ہی حقیقت کے اجمال اور تفصیل ہیں اور فقہ قرآن و سنت ہی کی تفریع ہے تو ظاہر ہے کہ ان میں باہم تطبیق کا کام ایک اہم اور قابل قدر کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ فقہ کے مختلف مکاتیب میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی وجہ سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوئی ہیں۔ خود فریبی اور تنگ نظری نے جنم لیا ہے۔ اپنے آپ کو اقرب الی الصواب اور دوسرے مکتب فکر کو اقرب الی الخطا سمجھنے کا رجحان عام ہوا ہے اگر ان مکاتیب میں سر رشتہ تلاش کیا جائے اور اختلافات کے اسباب کا سراغ لگا کر ان کی نوعیت واضح کی جائے تو بلاشبہ یہ بھی بڑا مفید کام ہے[3] اسی طرح صوفیاء کے مختلف سلسلوں میں نقطہ اتحاد تلاش کرنا اور ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کرنا بھی مفید عمل ہے۔ مگر یہ تطبیق اس وقت درست اور قابل قدر ہو سکتی ہے جب کہ یہ طے ہو چکا ہو کہ جن چیزوں میں تطبیق دی جا رہی ہے وہ سب اپنی جگہ برحق اور صواب ہیں، مگر جب ان میں سے ایک دوسرے سے بنیادی طور پر مختلف ہو تو ظاہر ہے وہاں تطبیق بے معنی ہوگی۔ شاہ صاحب کے پیشرو میں امام غزالی کی ذات واحد نظر آتی ہے جنھوں نے شریعت اور تصوف میں تطبیق کا کام انجام دیا ورنہ ان سے پہلے شریعت کے مباحث اور طریقت کے مباحث بالکل الگ کر دئے

---

[1] التفہیمات الالٰہیہ دوم ص۲۱۷ ، [2] مختلف احادیث میں تطبیق و توفیق سے متعلق بہت سے بزرگوں نے کام کیا ہے جن میں امام شافعی م۲۰۴ھ عبداللہ بن مسلم (ابن قتیبہ) م۲۶۳ھ ابو یحییٰ بن زکریا بن یحییٰ نووی امام طحاوی م۳۲۱ھ التحقیق فی احادیث الخلاف کے مصنف امام جوزی م۵۹۷ھ اور اس کتاب کی تلخیص کرنے والے ابراہیم بن علی بن عبدالحق م۷۴۴ھ زیادہ مشہور ہیں۔ [3] المصفّٰی شرح موطا امام مالک میں انھوں نے مذاہب اربعہ کے درمیان توفیق و تطبیق کی کوشش کی ہے۔

گئے تھے[1] شاہ صاحب نے امام غزالی کی پیروی کرتے ہوئے اس کام کو صرف تصوف تک محدود نہ رکھا بلکہ اس کا دائرہ پوری شریعت اور اس کی تفریعات تک وسیع کر دیا۔ شاہ صاحب کی تطبیق کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ "حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا، میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے اور نفع و نقصان کی صلاحیت سے محروم ہے اگر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا[2] اور حضرت علیؓ نے کہا حجر اسود نفع و نقصان پہونچا سکتا ہے اور اپنے بوسہ دینے والے اور ترک کرنے والے پر گواہ ہے" ان دونوں اقوال میں شاہ صاحب نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ یہ اختلاف مقامات کے اختلاف سے متعلق ہے۔ حضرت عمرؓ نے شریعت کی تحریف سے حفاظت کے پہلو سے فرمایا۔ ان کا مقصد بت پرستوں کی تردید تھی مبادا یہ سنت کہیں اپنے محل سے ہٹ کر بگڑ جائے اور حضرت علیؓ کا کلام عالم میں مخفی اسرار کی معرفت کے پہلو سے ہے انھوں نے پہچانا کہ پتھر میں حیوانی ہیئت ہے اور اسی طرف اشارہ ہے اس بات میں کہ وہ جنت کا پتھر ہے تو یہ ہیئت قیامت کے دن انبیاء کی طرح شاہد ہوگی[3]

شاہ صاحب نے خاص طور پر ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود اور مجدد الف ثانی کے نظریۂ وحدت الشہود میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے یہ بحث اسماعیل بن عبداللہ رومی مدنی کے خط کے جواب میں ایک مختصر رسالہ میں کی ہے جو "فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود" اور مکتوب مدنی کے نام سے متعارف ہے[4] انھوں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق دے کر مجددؒ اور ابن عربی کے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر بعد کے ناقدین نے اس تطبیق کو اس لیے تسلیم نہیں کیا ہے کہ یہ دو ایسی چیزوں میں تطبیق دینا ہے جو بنیادی طور پر مختلف ہیں[5]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تالیفات میں ان مسائل اور نکات کو موضوع بحث بنایا ہے جو امت مسلمہ ہند کی نشاۃ جدیدہ کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل تھے اور اسلامی علوم کے ان پہلوؤں کو منور کیا ہے وقت اور ماحول کے غبار نے جن کو دھندلا کر دیا تھا، شاہ صاحب کے خیالات اور تفردات سے

---

[1] ملاحظہ ہو سعید نفیسی کی کتاب سرچشمۂ تصوف در ایران ص۱۰۱

[2] بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود

[3] التفہیمات الالٰہیہ ۲/۱۷

[4] یہ رسالہ التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم میں شامل ہے

[5] A. Haque Ansari, Sufism and Sharia, London. 1982

اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر اس کے باوجود یہ بات درست ہے کہ شاہ صاحب اسلامی علوم و فنون کی تدوین جدید بلکہ تفہیم جدید کے داعی اور قائد ہیں' پروفیسر محمد سرور یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ

"ان کے عہد تک مسلمانوں میں جو علوم و فنون مدون ہو چکے تھے ان کا (شاہ صاحب نے) احاطہ کیا زوال کی طویل صدیوں میں ان میں اِدھر اُدھر سے جو رطب و یابس جمع ہو گیا تھا اس کا جائزہ لیا ہر علم میں جو مختلف فیہ مسائل پیدا ہو گئے تھے اور لوگ اصل کو چھوڑ کر بس ان میں ہی الجھ کر رہ گئے تھے ان کو حل کیا پھر ایک علم کا دوسرے علم سے اور اہل علم کے ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے جو تضاد و نزاع چلا آ رہا تھا اسے سلجھایا اور اس طرح مسلمانوں کی علمی و فکری وراثت کو اس کے داخلی تناقضات سے پاک کر کے اس میں ایسی وحدت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ بعد میں آنے والے اس وراثت کو اپنے فکر و عمل کی اساس بنا سکیں" [1]

الحاقی تصانیف

شاہ ولی اللہ سے منسوب بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو شاہ صاحب کی تصنیف کردہ نہیں ہیں بلکہ وہ کسی اور مصنف کی ہیں اور کسی غلط فہمی یا تجارتی فوائد کے پیش نظر ان کو شاہ صاحب سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ان جعلی اور الحاقی کتابوں میں قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسنین' جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ' تحفۃ الموحدین اور بلاغ المبین خاص طور پر قابل ذکر ہیں مرزا رجب علی الطف نے ولی اللہ سرہندی المتخلص بہ اشتیاق کو شاہ ولی اللہ سمجھ کر اول الذکر دونوں کتابیں منسوب کر دی ہیں مولانا شبلی النعمانی نے جس کی تردید اور تغلیط کی ہے [2] آخر الذکر دونوں کتابوں کو خانوادہ ولی اللہ کے ایک فرد اور شاہ صاحب کی بیشتر کتابوں کے ناشر سید ظہیر الدین ولی اللہی نے جعلی قرار دیا ہے' جناب ایوب قادری صاحب ان کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ان دونوں کتابوں کی زبان' طرز بیان اور طریقہ استدلال شاہ ولی اللہ دہلوی سے بالکل مختلف ہے' اکثر غیر مستند اور وضعی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے صوفیاء کے اقوال اور ان کے ملفوظات کے حوالے ملتے ہیں صاحب مجالس الابرار (شیخ احمد رومی)' شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ابن تیمیہ کے حوالہ جات کی کثرت ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور سے ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا پروپیگنڈا مقصود ہے۔

---

[1] پروفیسر محمد سرور' ارمغان شاہ ولی اللہ' پیش لفظ' [2] نزہۃ الخواطر ۳۵/۶ - ۳۹۸' [3] مجموعہ وصایا اربعہ ص ۲۸

چوتھا باب

قرآنی علوم پر شاہ ولی اللہ کی تصانیف کا تنقیدی مطالعہ

قرآنی علوم پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں انھوں نے قرآن کے مطالب و معانی کی تفہیم و تشریح کے لیے ترجمہ قرآن سے لے کر متعلقات قرآن تک متعدد بیش قیمت تصانیف چھوڑی ہیں' اس قبیل کی جن کتابوں کا عام طور پر تذکرہ ملتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) فتح الرحمان
(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
(۳) فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر
(۴) تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء
(۵) زہراوین (ترجمہ سورہ بقرہ و آل عمران)
(۶) المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ

ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے ذہن میں قرآن کی اشاعت کا بہت ہی واضح نقشہ موجود تھا اور اسی کی بنا پر وہ ملت اسلامیہ کی تعمیر کرنا چاہتے تھے شاہ صاحب کی یہ تصانیف آج بھی اسی قدر و قیمت کی حامل ہیں' جس طرح وہ مصنف کے عہد میں تھیں' مگر الفوز الکبیر کے علاوہ دیگر کتابیں عرصہ سے نایاب ہیں' فتح الرحمان کے ترجمہ اور حواشی پر الگ سے گفتگو کی جائے گی اس لیے بقیہ کتابوں کا ذیل میں تحلیلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

قرآنی موضوعات پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف میں سب سے زیادہ معروف اور مقبول کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ہے' یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی عرصہ دراز سے فارسی ایڈیشن کی طباعت بند ہے کیونکہ فارسی ہندوستان میں نہ دفتری زبان رہی اور نہ عوامی [1] البتہ اس کے اردو عربی اور انگریزی تراجم بکثرت دستیاب ہیں [2]

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ کتاب ہندو پاک کے درس نظامی کے مدارس میں شامل نصاب ہے اور بالعموم جلالین کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے، مختصر ہونے کے باوجود بہت جامع اور مفید ہے تفسیر کے اصولوں کو اختصار کے ساتھ متعارف کرانے کے لیے اس سے بہتر اور مختصر کتاب نہیں ملتی، اس کتاب میں علامہ بدر الدین زرکشی م ۷۹۴ھ کی کتاب البرہان اور علامہ سیوطی م ۹۱۳ھ کی کتاب الاتقان کا بھی گویا عطر نچوڑ آگیا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول۔

"اصول تفسیر پر عام طور پر کوئی چیز نہیں ملتی، صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لیے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات و کلیات ہے اور ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے"[1]

شاہ صاحب نے قرآنی علوم و مطالب کے یہ نکات قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کو طول طویل تفسیروں سے بچانے کے لیے رقم کیا ہے چنانچہ مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

"جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کو سمجھنے میں دوستوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کر دوں، اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان قواعد کو سمجھ لینے کے بعد طالبوں پر کتاب اللہ کو سمجھنے میں ایک وسیع شاہ راہ کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے یا مفسروں سے پڑھنے میں (جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت کم ہو گئی ہے) صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا"[2] شاہ صاحب نے اس کتاب کو حسب ذیل ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

---

[1] حاشیہ ص۸۸ ۔ اسوقت جو نسخہ دستیاب ہے وہ مطبع محمدی دہلی کا ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے بند ہو گیا سنہ طباعت درج نہ ہونے کی بنا پر نہیں کہا جا سکتا کہ آخری ایڈیشن کب چھپا، [2] اردو ترجمہ مولانا رشید احمد انصاری نے کیا تھا جو مکتبہ ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا، عربی ترجمہ سب سے پہلے جامع ازہر کے ممتاز فاضل محمد منیر الدین دمشقی نے کیا جو مکتبہ عزیزیہ دیوبند سے شائع ہوا، اس میں حروف مقطعات کی بحث کا ترجمہ مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ نے کیا اور اس کی شرح عربی زبان میں مولانا سعید احمد پالن پوری نے العون الکبیر کے نام سے لکھی جس کی طباعت دیوبند سے ہوئی۔ دوسرا ترجمہ مولانا سلمان الندوی نے کیا جو لکھنؤ سے شائع ہوا اردو ترجمہ کی طرح انھوں نے بھی حروف مقطعات کی بحث کا ترجمہ نہیں کیا انگریزی ترجمہ غلام نبی جلبانی نے کیا جو ہجرہ پبلیکیشنز اسلام آباد سے شائع ہوا۔

[1] تاریخ دعوت و عزیمت ۵/۱۵۰، ۱۵۱ [2] الفوز الکبیر ص۲-۳

پہلا باب: ان علوم پنجگانہ کا بیان جن کی طرف قرآن کریم خاص طور پر رہنمائی کرتا ہے اور گویا قرآن کا مقصد نزول دراصل یہی علوم ہیں۔

دوسرا باب: اہل زمانہ کے ذہنوں کی مناسبت سے نظم قرآن کی پوشیدگی کے وجوہ اور وضاحت کے ساتھ ان وجوہ کا علاج۔

تیسرا باب: نظم قرآن کے لطائف کا بیان اور بقدر طاقت و امکان اس کے اسلوب بدیع کی تشریح۔

چوتھا باب: فنون تفسیر کا بیان اور صحابہ و تابعین کی تفسیر میں جو اختلاف واقع ہوا ہے اس کو حل کرنے کا بیان۔

پانچواں باب: غرائب قرآن کی شرح اور ان کے اسباب نزول کا بیان ایک مفسر کے لیے جس مقدار کا یاد رکھنا ضروری ہے۔

پانچویں باب کو مصنف نے الگ سے بجائے فارسی کے عربی میں لکھا ہے اور اسے ایک مستقل رسالہ قرار دیا ہے جس کا نام فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر رکھا ہے[1]

پہلا باب جن علوم پنجگانہ کے بیان میں ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) علم احکام۔ یعنی واجب، مستحب، حلال و حرام اور مکروہ وغیرہ کا بیان
(۲) علم مناظرہ۔ یعنی یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین جیسے گمراہ فرقوں سے مباحثہ
(۳) علم تذکیر بآلاء اللہ۔ یعنی آسمان و زمین میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو یاد دلا کر نصیحت کرنا۔
(۴) علم تذکیر بایام اللہ۔ یعنی انعام و اکرام اور تعذیب و توبیخ کے وہ اہم واقعات جو اللہ کی طرف سے مجرموں اور فرمانبرداروں کے سلسلہ میں رونما ہوئے۔
(۵) علم تذکیر بالموت، یعنی موت اور اس کے بعد کے واقعات مثلاً حشر اور نشر، حساب اور میزان، جنت اور جہنم وغیرہ کے بیان کے ذریعہ نصیحت کرنا[2]

ان پانچوں علوم پر شاہ صاحب نے تفصیل سے گفتگو کی ہے، علم مناظرہ میں جن چار گمراہ فرقوں (مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ) کا تذکرہ کیا ہے ان کی مثال خود اپنے معاصر معاشرہ میں تلاش کی ہے، مثلاً یہود کا نمونہ انھوں نے اس امت کے ان علماء سوء کو قرار دیا ہے جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے ہیں، جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا ان کے بے اصل

---

[1] یہ رسالہ الگ سے بھی شائع ہوا ہے اور الفوز الکبیر کے ساتھ بھی طبع ہوا ہے۔
[2] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۳

استنباط کو سند بنا کر معصوم شارعؐ کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو اپنا رہنما بنا رکھا ہے[1]

نصاریٰ کا نمونہ اس امت میں اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو قرار دیا ہے جو اپنے آباء و اجداد کے سلسلہ میں مبالغہ آمیز خیالات رکھتے ہیں اور ان کو مقام نبوت بلکہ الوہیت تک لے جاتے ہیں۔

منافقین کا نمونہ اپنے دور کے امراء کی مجالس کے ان مصاحبین کو قرار دیا ہے جو امیروں کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور مشرکین کا نمونہ دار الاسلام کے نواح میں رہنے والے ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو اولیاء کے متعلق مشرکانہ خیالات رکھتے ہیں، قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں۔

دوسرے باب میں شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ قرآن آسان عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس وقت جو لوگ قرآن کو پڑھتے تھے اور سنتے تھے وہ اسے آسانی سے سمجھ لیتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متشابہات پر غور کرنے سے منع فرما دیا تھا اس لیے صحابہ نے ان آیات کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں محسوس کی، مگر جب غیر عرب نے اسلام قبول کیا تو ان کو حسب ذیل قسم کی دشواریاں پیش آئیں، (۱) بعض آیات کا مجمل ہونا (۲) بعض آیات کا منسوخ اور بعض کا ناسخ ہونا (۳) سبب نزول سے ناواقفیت (۴) نحوی اور لسانی مشکلات۔ چنانچہ شاہ صاحب نے انہی مسائل سے اس باب میں بحث کی ہے۔ تیسرے باب میں اسالیب قرآن، تکرار مضامین اور سورتوں کی حیثیت وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ چوتھے باب میں قرآن کی مروجہ تفسیروں کا جائزہ لیا ہے اور ان رجحانات پر نقد کیا ہے جو بعض تفسیروں کی تالیف کے وقت موجود رہے ہیں۔

شان نزول کے سلسلہ میں عام طور پر مفسرین نے ہر آیت کو کسی نہ کسی واقعہ سے جوڑ دیا ہے اور اس قصہ کو آیت کا سبب نزول قرار دیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "نزول قرآن کا بنیادی مقصد انسانی نفوس کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اس لیے آیات مباحثہ کے نزول کا بنیادی سبب مکلفین میں باطل عقائد کا وجود ہے اور آیات احکام کے نزول کا سبب ان میں فاسد اعمال اور مظالم کا پھیلنا ہے اور آیات تذکیر کے نزول کا سبب ان کا آلاء اللہ، ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے واقعات کا تذکرہ کئے بغیر بیدار نہ ہونا ہے۔"[2]

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ خاص خاص واقعات جن کو بیان کرنے کی زحمت گوارا کی گئی ہے ان کا اسباب

---

[1] الفوز الکبیر ص۱ [2] ایضاً ص۴

نزول میں بعض آیات کے سوا چنداں دخل نہیں ہے[1] ان کا خیال یہ بھی ہے کہ راوی بعض حالات میں اپنے فہم سے کسی آیت کو کسی واقعہ سے متعلق سمجھتا ہے تو حکم لگا دیتا ہے کہ آیت اسی واقعہ کے متعلق اتری ہے۔ بعض اوقات صحابہؓ نبی کریمؐ سے کوئی سوال کرتے ہیں اور نبی کریم اس کے جواب میں قرآن کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحابہ باہمی مناظرات میں آیات قرآنی سے استدلال و استنباط کرتے ہیں تو سمجھ لیا جاتا ہے آیت اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔

قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیتوں کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے متقدمین میں اس موضوع پر بہت بحثیں ہوئی ہیں مگر ابھی تک یہ واضح نہ ہو سکا کہ کتنی آیتیں منسوخ ہیں اور نہ یہ طے ہو سکا کہ کون کون سی منسوخ ہیں۔ بعض حضرات پانچسو آیات کی تنسیخ کے قائل تھے، بعض اس سے کم کے، یہاں تک کہ جلال الدین سیوطی نے بیس آیات کو منسوخ قرار دیا[2] شاہ صاحب نے سب سے پہلے "نسخ" کا مفہوم متعین کیا ہے اور پھر ان آیات پر گفتگو کی ہے جن کو منسوخ قرار دیا گیا تھا شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے اور بقیہ میں تاویل و تطبیق کی گنجائش ہے[3] مولانا عبید اللہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ "جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی ہے وہ باقی پانچ آیتوں میں بھی بڑی آسانی سے تطبیق دے سکتا ہے اور اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "شاہ صاحب کا اصل مقصود تو یہی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت سرے سے منسوخ نہیں ہے مگر وہ اس بات کو مصلحت کی وجہ سے صراحتاً نہیں کہتے کیونکہ اس طرح صراحتاً کہنے سے ان کی بات معتزلہ کے قول کے مشابہ ہو جاتی اور عام اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے۔"[4]

جن پانچ آیات کو شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں منسوخ تسلیم کیا ہے انہی کو فتح الرحمان میں بھی منسوخ مانا ہے لیکن سورۃ الاحزاب کی آیت لا یحل لک النساء من بعد (احزاب ۵۲) کو منسوخ اور اسی سورۃ کی آیت اما احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن (احزاب ۵۰) کو ناسخ قرار دیا ہے جب کہ فتح الرحمان میں اس کے برعکس انا احللنا لک ازواجک کو منسوخ اور لا یحل لک النساء کو ناسخ تسلیم کیا ہے، فتح الرحمان سورہ الاحزاب ۵۲، چونکہ الفوز الکبیر فتح الرحمان کے بعد کی تصنیف ہے اس لیے یہی سمجھا جائے گا کہ الفوز الکبیر کا بیان زیادہ درست ہے، جہاں تک یہ سوال ہے کہ لا یحل لک النساء بعد کی آیت ہے اور انا احللنا پہلے کی اس لیے ماقبل کی آیت مابعد کے لیے ناسخ کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب خود ہی شاہ صاحب نے دیا ہے کہ "میں کہتا ہوں کہ ممکن

---

[1] الفوز الکبیر ص۳۵ [2] الاتقان دوم ص۳۰

[3] الفوز الکبیر ص۲۷ [4] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۷۵

ہے ناسخ باعتبار تلاوت منسوخ سے مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔"[1]

شاہ صاحب نے قرآن کی زبان اور نحوی و صرفی قاعدوں پر عمدہ بحث کی ہے شاہ صاحب اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کو اس کے نزول کے وقت کے اہل عرب کی زبان کے مطابق سمجھنا چاہیے اور صحابہ و تابعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہیے۔ شاہ صاحب اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ علماء نحو میں سے کسی ایک کے مسلک کو اختیار کر لیا جائے اور اس کے مطابق قرآن کو سمجھا جائے اور اگر اس مذہب کے مخالف کوئی چیز آئے تو قرآن کی تاویل کرنے کا تکلف کیا جائے، بلکہ سیاق و سباق سے جو بات زیادہ مضبوط ہو اس کی پیروی کی جائے خواہ وہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔[2] ظاہر ہے کہ قرآن فراء، سیبویہ اور اخفش کے نحوی و صرفی ضابطوں کا پابند نہیں ہے، شاہ صاحب کہتے ہیں کہ مشہور محاورہ بھی محاورہ ہی ہوتا ہے، عرب اول بکثرت اپنے خطبات میں ایسے محاورات استعمال کرتے تھے جو مشہور قواعد کے خلاف ہوتے تھے اور چونکہ کلام اللہ عرب اول کی زبان میں نازل ہوا اس لیے اگر کسی جگہ واو کی جگہ یا اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مونث آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔"[3]

محکم و متشابہ کا مسئلہ بھی ایک دشوار مسئلہ ہے، ناسخ و منسوخ کی طرح یہ بحث بھی کسی حتمی نتیجہ تک منتہی نہیں ہوئی اور نہ یہ طے ہوا کہ کن کن آیات کو متشابہات قرار دیا جائے۔ متشابہات کے غیر معین ہونے اور ان میں بحث کو ناممکن سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول مولانا عبید اللہ سندھی ایک تو قرآن سارے کا سارا قابل فہم نہ رہا دوسرے متشابہات میں غور نہ کرنا عقیدہ بن گیا۔[4] شاہ صاحب کے نزدیک متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو۔[5] اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ متشابہات کا علم ممکن ہے اور راسخین فی العلم اس کے اہل ہیں جیسا کہ متقدمین کے ایک گروہ کا خیال ہے۔[6]

اسی طرح حروف مقطعات بھی مفسرین کے درمیان غور و خوض کے اہم مباحث میں سے رہے ہیں شاہ صاحب نے اسے علوم وہبیہ میں شمار کیا ہے اور ان حروف کی اپنے خاص علمی ذوق کے مطابق تشریح کی ہے شاہ صاحب کے نزدیک یہ حروف سورتوں کے نام ہیں اور وہ اجمالاً ان مباحث پر دلالت کرتے ہیں جو تفصیلی طور پر سورتوں میں آئے ہیں۔[7] گویا شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح کتاب کا نام کتاب کے مباحث

[1] الفوز الکبیر ص۶۵ [2] ایضاً
[3] ایضاً [4] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۵۸ [5] الفوز الکبیر ص۴۵
[6] دیکھیے الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تفسیر سورۃ آل عمران آیت ۷ [7] الفوز الکبیر ص۷۰

کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح حروف مقطعات سورتوں کے مفاہیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ الفوز الکبیر کے چوتھے باب کی یہ آخری بحث ہے جو بعض پہلوؤں سے اہم اور ضروری ہے اور اس اہمیت کے پیش نظر ہی شاہ صاحب نے قدرے تفصیل سے الخیر الکثیر میں گفتگو کی ہے مگر افسوس ہے کہ الفوز الکبیر کے اردو مترجم نے اس بحث کو ہی چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے اردو خواں حضرات اس سے استفادہ سے محروم ہو گئے ہیں۔

فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر

شاہ صاحب نے یہ رسالہ عربی زبان میں قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریح اور شان نزول کی معرفت کے لیے لکھا تھا، یہ رسالہ ۱۳۱۴ھ میں نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا ہے اور بڑی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس رسالہ کو الفوز الکبیر کا تکملہ یا ضمیمہ سمجھنا چاہیے کیونکہ الفوز الکبیر میں شاہ صاحب نے غرائب قرآنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں غرائب قرآنی کی تمام معتبر شرح کو شان نزول کے ساتھ بیان کر دوں اور اس باب کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں جو چاہے اس کو اس رسالہ میں شامل کرے اور جو چاہے اس کو جداگانہ یاد کرے ع وللناس فیما یعشقون مذاہب"[1] اس رسالہ کو ایک مستقل کتاب کی حیثیت اس لحاظ سے دی جا سکتی ہے کہ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے جب کہ الفوز الکبیر فارسی زبان میں لکھی گئی ہے نیز الفوز الکبیر میں علوم قرآنی پر اصولی نوعیت کی بحث کی گئی ہے اور فتح الخبیر میں قرآن کی تمام سورتوں کے بارے میں ضروری اور مختصر اشارے ہیں جو مشکل الفاظ کی مختصر تشریح، ضروری مقامات کی توضیح اور کچھ آیات کی شان نزول کی وضاحت پر مبنی ہے، اس کتابچہ کی تالیف کے وقت بھی شاہ صاحب کے پیش نظر علامہ سیوطی کی الاتقان رہی ہے شاہ صاحب نے رسالہ کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"فیقول العبد الضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم عاملهما اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم، ہذہ جملة عن شرح غریب القرآن من آثار خبر ہذہ الامة عبد اللہ بن عباس رضی من طریق ابن ابی طلحة عنه وکملتها بطریق الضحاک عنه کما فعل ذالک شیخ مشائخنا الجلیل جلال الدین السیوطی فی کتاب الاتقان اعلی اللہ درجته فی الجنان ورایت بعض الغرائب بقی غیر مفسر فی تلک الطریقتین فکملتها بطریق مسائل نافع بن الازرق عنه وبما ذکرہ البخاری فی صحیحه، فانه

[1] الفوز الکبیر ص۳۶

اصح مایروی فی ھذا الباب ثم بغیر ذالک بما ذکرہ الثقات من اھل النقل وقلیل ماھو وجمعت مع ذالک مایحتاج الیہ المفسرین اسباب النزول منتخباً لہ من اصح تفاسیر المحدثین الکرام اعنی تفسیر البخاری والترمذی والحاکم اعلی اللہ منازلھم فی دار السلام۔[1]

یہ عبد ضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم، اللہ ان دونوں پر اپنا فضل عظیم فرمائے کہتا ہے کہ یہ غریب القرآن کی منجملہ شرح ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے ابن ابی طلحہ کے واسطے سے مروی ہے اور میں نے اس کی تکمیل ضحاکؒ کے واسطہ سے کی ہے جس طرح جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان میں کی ہے، اللہ جنت میں ان کا درجہ بلند کرے۔

میں نے دیکھا کہ مذکورہ دونوں طریقوں کے استعمال کے بعد بھی بعض غرائب قرآنی محتاج تفسیر ہیں تو میں نے ان کو نافع بن ازرق کے مسائل کے واسطہ سے مکمل کیا اور اس طریقہ سے مکمل کیا جس کی امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں روایت کی ہے کیونکہ وہ اس باب کی مرویات میں زیادہ صحیح ہے اس کے علاوہ تھوڑی مقدار ان چند مرویات کی بھی ہے جن کی اہل نقل کے ثقات نے روایت کی ہے اس کے ساتھ میں نے محدثین کرام کی صحیح تر تفاسیر مثلاً بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفاسیر[2] سے اسباب نزول کا انتخاب بھی جمع کر دیا ہے جس کی مفسرین کو ضرورت پڑتی ہے۔[3]

اس کتاب کو شان نزول اور غریب الفاظ کی وضاحت پر مشتمل اختصاریہ یا اشاریہ کہنا زیادہ مناسب ہے کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے یہ کتاب تشنہ محسوس ہوتی ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ اسے الفوز الکبیر کا تتمہ سمجھا جائے اس لیے اس کی اشاعت بھی الفوز الکبیر کے ساتھ ہی ہونی چاہیے۔[4]

تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیار

انبیار کرام سے متعلق قرآن کریم میں وارد واقعات، معجزات اور قصص کی تاویل و تشریح اور تعبیر و توجیہ سے متعلق شاہ صاحب کی ایک اہم کتاب "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیار" ملتی ہے، شاہ صاحب نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اس کتاب کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے "تفسیر کے وہی علوم ہیں جس کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ انبیار علیہم السلام کے قصص کی تاویل بھی ہے۔ اور فقیر نے اس کی تشریح کے لیے ایک رسالہ

---

[1] فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر ص۲ [2] بخاری، ترمذی اور مستدرک للحاکم کی مرویات مراد ہیں

[3] فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر، د ساھ ، ہمہ ڈاکٹر زبید احمد نے ایک تفسیر کی حیثیت سے اس کا تعارف کرایا ہے دیکھیے The Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature Lahore, 1968. P. 22

بنام "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیار" تالیف کیا ہے، تاویل سے مراد یہ ہے کہ نبیؑ اور اس کی قوم کی استعداد اور خدائے تعالیٰ کی ایسے موقع پر اختیار کردہ تدبیر کی مناسبت کے لحاظ سے جو واقعہ رونما ہوتا ہے اس کا ایک مبدا ہوتا ہے اور گویا اسی کی طرف ویعلمک من تاویل الاحادیث (یوسف ۶) میں اشارہ کیا گیا ہے۔[1]

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور ہر صفحہ پر عربی عبارت کے سامنے اردو ترجمہ بھی درج ہے یہ رسالہ متوسط تقطیع کے اٹھاسی ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوا ہے، مترجم کا نام اگرچہ مذکور نہیں تاہم کتاب کے آخر میں ناشر کے وضاحتی نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم سید ظہیر الدینؒ ہیں جو کتاب کے طابع و ناشر بھی ہیں۔

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ غلام نبی جلبانی نے کیا ہے جو ہند و پاک ہر دو جگہ دستیاب ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب قرآنی واقعات و معجزات کی تاویل و توجیہ کے لیے لکھی گئی ہے اور جن انبیار کے واقعات و معجزات کی تاویل کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

نوحؑ و شیثؑ، ہودؑ و صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، یوسفؑ، ایوبؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ شمویلؑ و داؤدؑ اور نبی آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

شاہ صاحب نے حسب قاعدہ حمد و صلوٰۃ کے بعد ایک مقدمہ کتاب اور کتاب کے موضوع کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں انھوں نے انبیار کے معجزات اور خارق عادت واقعات کی جو تاویل کی ہے اس کی حکمت و معنویت بیان کی ہے اور اس کے قواعد و ضوابط کی تفہیم کی ہے، تمام انبیائی واقعات کو خواہ وہ جنت سے آدمؑ کا نکالا جانا ہو، یا ابراہیمؑ کا نار نمرود میں ڈالا جانا یا کہ موسیٰؑ کی عصا کا معاملہ ہو، شاہ صاحب خواب سے تعبیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں

"اعلم ان الاحوال الطارئۃ علی نفوس الکمل والواقعات المنتظمۃ فی المثال تکمیلہ لھم حکمھا حکم المنام وکذالک الحوادث الواقعۃ کلھا منامات۔"[2]

جان لو کہ نفوس کاملہ (انبیار) پر جو احوال طاری ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے عالم مثال میں جو واقعات منتظم ہوتے ہیں اس کا حکم خواب کا ہوتا ہے اور اسی طرح رونما ہونے والے واقعات سب کے سب خواب ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب نے انبیائی واقعات کو خواب سے تعبیر کرنے کے بعد ان کے کچھ اصول و ضوابط بھی بتائے ہیں

---

[1] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۴۹۔

[2] تاویل الاحادیث ص۵

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں الہامات اور تقریبات کے ذریعہ تدبیر[1] کرنا چاہتا ہے اس کے نتیجہ میں رحمت خداوندی نظام خیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس کی مثال میں وہ ہبوط آدم کو پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور حقیقت مثالیہ نے آدم کا احاطہ کر لیا جس کی جنت سے تعبیر کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ اہل جنت جیسا معاملہ کیا گیا اور ان کے خلیفہ ارضی ہونے کا دروازہ بند کر دیا گیا، اب تقریبات خداوندی ظاہر ہوئی تاکہ لوح نفس کی صفائی اور تطہیر کے لیے آدم کو متنبہ کرے بایں طور کہ آدم کا درخت کھانا حرام ہے کیونکہ اس سے وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔ چنانچہ یہ تنبیہ آدم پر وحی موجب کی حیثیت سے منعقد ہو گئی اور شیطان اپنی شر پسند حقیقت کے ساتھ آدم کے دل میں درخت کو کھانے کی خواہش کا وسوسہ ڈالنے کے لیے مستعد تھا چنانچہ آدم نے اسے کھا لیا نتیجہ میں ان کو سزا دی گئی اور وہ جنت سے نکالے گئے تخلیق و ہبوط آدم کی یہ فلسفہ آمیز تشریح کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں۔

معذ الکلہ منام و رؤیا تعبیرہ ان اللہ اراد بہ ان یصیر خلیفۃ فی الارض ویبلغ
الی کمالہ النوعی وامانہیہ عن الشجرۃ ثم القاء وسواس الشیطان ثم
معاتبتہ واخراجہ فکلہ صورۃ التقریب بحسب خروجہ عن عالم المثال
الی الناسوت تدریجاً۔[2]

یہ سب خواب اور رویا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آدم خلیفۃ الارض بن جائے اور اپنے کمال نوعی کو پہنچ جائے جہاں تک درخت سے روکنے اور شیطان کے وسوسہ ڈالنے پھر آدم کے مواخذہ اور جنت سے ان کے اخراج کا تعلق ہے تو یہ سب عالم مثال سے عالم ناسوت کی طرف تدریجاً نکلنے کے لحاظ سے تقریب کی صورت ہے۔

شاہ صاحب معجزات اور خرق عادات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ان میں اسباب و علل بالکلیہ ختم نہیں کیے جاتے بلکہ اسباب کا پردہ کسی نہ کسی درجہ میں موجود رہتا ہے اور انبیائی معجزات عادت انسانی ہی کے ضمن میں رونما ہوتے ہیں یہ اور بات ہے یہ عادت کمزور ہوتی ہے۔ اس کی مثال وہ اس طرح دیتے ہیں کہ ایک حکیم کسی مریض کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دیتا وہ یہ نہ سمجھتا ہے کہ وہ مر جائے گا لیکن تقضائے الٰہی ظاہر ہوتی ہے اور مریض

---

[1] ابداع، خلق اور تدبیر یہ تینوں بنیادی اصطلاحات ہیں جن کے ذریعہ شاہ صاحب نے عالم کون اور عالم مثال کے فلسفہ کی تشریح کی ہے حجۃ اللہ البالغہ میں ان تینوں اصطلاحات کی تفصیل بیان کی ہے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱

[2] تاویل الاحادیث ص ۲۰۶

اسی مرض میں مر جاتا ہے گو کہ مریض کی موت اللہ کے حکم سے ہوئی مگر اس کی موت کا سبب اس کا مرض ہے اگرچہ طبیب کی نظر میں بظاہر یہ مرض ایسا نہیں ہے کہ اس سے موت واقع ہو جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب کہتے ہیں۔

"اعلم ان اللہ اذا اظہر خارق عادۃ لتدبیر فانہ انما یظہر فی ضمن عادۃ ولو ضعیفۃ فالخوارق اسباب ضعیفۃ کانہا وجدت مشایعۃ لنفاذ قضاء اللہ تعالیٰ وعنایتہ بالاسباب الارضیۃ لئلا یخترق العادۃ من کل وجہ وفی القرآن والسنۃ اشارات تدل علیہا وفی القصۃ ایماء وفحوی مما یعرفہا العارف بل کل لبیب منصف۔"[1]

اللہ تعالیٰ جب تدبیر کے لیے خارق عادت شئی کا اظہار کرتا ہے تو اسے عادت ہی کے ضمن میں کرتا ہے اگرچہ یہ عادت کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ خوارق ضعیف اسباب ہوتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور عنایت کے نفاذ کے لیے زمینی اسباب کے ساتھ متابعت کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں تاکہ پورے طریقہ پر خرق عادت نہ ہو اور قرآن و سنت میں ایسے اشارات ہیں جو اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور قصہ کے اندر بھی ایسے اشارے اور مضمرات ہوتے ہیں جن کے ذریعہ عارف بلکہ ہر عقل مند انصاف پسند اسے پہچان لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار نمرود ٹھنڈی اور سلامتی ہو گئی اس کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں

"وہ آگ میں ڈالے گئے جب کہ وہ ایسے بندے تھے جن سے اللہ راضی تھا تو اللہ نے ان کو مخلوق کے شر سے بچانے کا ارادہ کیا چنانچہ آگ کے مادہ پر ہوا کے ذریعہ اچانک ایک ٹھنڈی ہیئت ڈال دی یہ ہوا طبقہ زمہریر سے آگ پر آئی جو شدید ٹھنڈک لیے ہوئی تھی۔ اس نے آگ (کی خاصیت) کو بدل دیا چنانچہ اس کے تصادم سے پاکیزہ ہوا حاصل ہوئی۔"[2]

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد سرکشی اور بد اعمالی کے نتیجہ میں ہلاک کی گئی، شاہ صاحب اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ

"قوم عاد کا مسکن ریت اور ٹیلہ کا علاقہ تھا اور ان کے دیار کی ہوا خشکی اور سختی مائل تھی تو ان کے حق میں مناسب عذاب آندھی اور طوفان تھا، چنانچہ ایک زمانہ تک ان سے بارش روک لی گئی اور ان کے چوپائے ہلاک ہو گئے۔"[3]

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی تعذیب کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

"کان مسکن ثمود الجبال والمغازات کان اقرب التعذیبات فی حقہم الزلزال

---

[1] تاویل الاحادیث ص ۷، [2] تاویل الاحادیث ص ۲۰، [3] ایضاً ص ۱۹

والصیحۃ[1] چونکہ قوم ثمود کا مسکن پہاڑ اور جنگل کا علاقہ تھا اس لیے ان کے حق میں مناسب عذاب زلزلہ اور چیخ تھا۔

قوم فرعون کی غرقابی اور قوم موسیٰ کی نجات کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں

"اللہ نے موسیٰؑ کو دریا کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور موسیٰؑ کا فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا جب یہ لوگ دریا تک پہونچے تو اللہ نے دریا پر ایک طاقتور ہوا مسلط کی جس نے دریا کو دو نیم کر دیا اور اس کے بعض حصہ کو خشک کر دیا اور بعض میں اس طرح تصرف کیا جس طرح یہ ہوا اجزاء زمین میں تصرف کرتی ہے جس وقت کہ وہ بگولا بن جاتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے نجات پائی اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ہلاک ہو گیا[2]

توریت میں بھی دریا کے دو نیم ہونے میں ہوا کے موثر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے[3] اور شاہ صاحب بھی اس کے قائل ہیں بعد میں مولانا حمید الدین فراہی نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے[4] مگر قرآن میں جہاں بھی اس واقعہ کا اجمالاً یا تفصیلاً ذکر ہے مثلاً سورہ طٰہٰ ۷۰، ۱۰۲، الشعراء ۶۰-۶۶، الدخان ۲۳-۲۴ وغیرہ۔

وہاں صرف عصائے موسیٰ کو انفلاق بحر میں موثر بتایا گیا ہے اور ہوا کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو شاہ صاحب کی توجیہ قرآن کے بیانات اور شہادات سے کچھ زیادہ ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ولیس یجب انشقاقه البتة انشقاقا لعین القمر بل یمکن ان یکون ذالک بمنزلة الدخان وانقضاض الکوکب والکسوف والخسوف فما یظهر فی الجو لاعین الناس فلیستعمل بازاءها فی اللغة العربیه الفاظ وضعت لا لیقع علی انفس هذه الاشیاء[5]

بعینہ چاند کا شق ہو جانا ضروری نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ دھواں ستارہ کے ٹوٹنے چاند اور سورج گہن ہونے کے درجہ کی چیز ہو جو لوگوں کی نگاہوں میں فضا کے اندر ظاہر ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عربی زبان میں ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جو ان اشیاء کی ذات پر واقع نہیں ہوتے[6]

پوری کتاب اسی طرح کے واقعات اور ان کی عقلی توجیہ و تاویل سے بحث کرتی ہے، ان توجیہات کی روشنی میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جن واقعات و معجزات کو قرآن "آیات اللہ" سے تعبیر کرتا ہے وہ آیات (نشانی) اس

---

[1] ایضاً ص۱۷
[2] تاویل الاحادیث ص۳۷
[3] عہد نامہ عتیق، کتاب خروج، باب ۱۴، ص۲۱
[4] مجموعہ تفاسیر فراہی ص۱۹۷
[5] تاویل الاحادیث ص۸۱
[6] تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء ص۸۱

معنی میں نہیں ہیں کہ انھوں نے واقعات کا اسبابی اور مادی پہلو ختم کر دیا اور اللہ کے فیصلہ کا بغیر اسباب و علل کے اظہار کیا ہے بلکہ وہ نشانی اس پہلو سے ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ نے اپنے پیغام کی ترسیل کی، اپنے انبیاء کی مدد کی اور مشرکین پر اتمام حجت کی، اور ان کو انجام تک پہونچایا۔ شاہ صاحب کی بعض تاویلیں عمدہ ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جن کی تائید قرآن و سنت سے نہیں ہوتی مثلاً انفلاق بحر کا مذکورہ واقعہ، شاہ صاحب کی یہ تاویلیں قرآن فہمی کے لیے کس حد تک معاون ہو سکتی ہیں اور معجزات کی سلفی تعبیر و تاویل سے کہاں تک ہم آہنگ ہیں یہ ایک قابل غور بات ہے اس کتاب کے مقبول عام نہ ہونے کی ایک وجہ اس کا یہ پہلو بھی ہے۔

بعض خوش خیال قسم کے دانشوروں نے تاویل الاحادیث کو اس نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جیسے یہ تاریخ نبوت کی کتاب ہو اور اپنے فن میں عدیم المثال شاہکار ہو۔ مثال کے طور پر ایک دانشور لکھتے ہیں "حضرت امام ولی اللہ دہلوی نے جو فلسفہ مرتب کیا اس کے مطابق تاریخ عالم پر بھی نظر ڈالی اور ائمہ فکر Leaders of thinking یعنی انبیاء کرام کی تاریخ اس طرح لکھی کہ وہ سب ایک سلسلہ کی کڑیاں معلوم ہوتے ہیں اور ان کی ترتیب میں ایک فطری ارتقا نظر آتا ہے۔ یہ بے نظیر بحث ان کی تصنیف تاویل الاحادیث میں ہے جو اصل میں تو فارسی میں ہے مگر جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے"[1]

حالانکہ نہ یہ درست ہے کہ تاویل الاحادیث انبیاء کی تاریخ اور ترتیب کے لیے لکھی گئی اور نہ اس میں اس طرح کی کوئی بحث ملتی ہے یہاں تک کہ یہ بھی غلط ہے کہ وہ فارسی زبان میں لکھی گئی۔

زہراوین

قرآنی موضوعات پر شاہ صاحب کی تصانیف میں زہراوین (سورۃ البقرۃ و آل عمران) کی تفسیر کا تذکرہ ملتا ہے مگر اس کتاب کا صرف تذکرہ ہی ملتا ہے اس کے مطبوعہ یا مخطوطہ کسی ایک نسخہ کا اب تک سراغ نہیں مل سکا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک ہند و پاک کی کسی بھی قابل ذکر لائبریری میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے ممکن ہے کہ کسی وقت کسی ذاتی ذخیرہ کتب سے یہ برآمد ہو جائے مگر اس کا بھی امکان کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب اور خانوادہ ولی اللہی کے تلامذہ اور متوسلین کی جو تحریریں، کتب یا رسائل دسترس میں ہیں ان میں سے کسی کتاب یا رسالہ میں زہراوین کا کوئی حوالہ یا اقتباس درج نہیں ہے، پھر یہ بات بھی عجیب ہے کہ شاہ صاحب کے عہد سے لے کر اب تک کسی بھی شخص نے اس کے دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کا تذکرہ نہیں کیا مگر

---

[1] بشیر احمد، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات ص۳۱ لاہور ۱۹۴۵ء

اس کے باوجود شاہ صاحب کی تصانیف کی فہرست میں اس کا نام شامل کیا جاتا ہے[1]

کسی معتبر اور حتمی ذریعہ معلومات کے میسر نہ ہونے کی بنا پر یہ خیال قوی معلوم ہوتا ہے کہ زہراوین سورۃ بقرۃ اور آل عمران کے اس ترجمہ اور تفسیر کا نام ہو جو حضرت شاہ صاحب نے سفر حج یعنی ۱۱۴۳ھ سے پہلے تحریر فرمایا تھا اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اس لیے اس ترجمہ کو مستقل تصنیف قرار دے کر زہراوین کے نام سے موسوم کر دیا اور بعد میں جب فتح الرحمان کی تکمیل ہوئی تو زہراوین کو اس میں تحلیل کر لیا گیا گویا بعد میں ترجمہ قرآن کا کام زہراوین کے بعد سے شروع ہوا اور اس طرح فتح الرحمان کی تکمیل ہوئی[2] اس خیال کو تقویت اس بات سے پہونچتی ہے کہ شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے دیباچہ میں یہ صراحت کی ہے کہ "اس عرصہ میں زہراوین کا ترجمہ ہو گیا اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہو گیا اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا، کئی سال بعد ایک عزیز ترجمہ قرآن پڑھنے لگے اور یہ کام اس گذشتہ عزم کا محرک بن گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ لیا جائے"[3]

دیگر مصنفین کی طرح شاہ صاحب کے یہاں بھی کئی تصانیف کے ایک دوسرے میں انضمام و اتصال کی متعدد مثالیں موجود ہیں، مثلاً شاہ صاحب نے ایک اہم تصنیف "تدوین مذہب فاروق اعظمؓ" کی تصنیف و ترتیب اور اس کے مختلف مراحل کا اپنے مکتوبات میں مختلف مواقع پر ذکر کیا ہے مگر اس وقت اس نام کی کوئی کتاب شاہ صاحب کی فہرست کتب میں موجود نہیں ہے اور شاہ صاحب کے تذکرہ نگار اس کا ذکر بھی نہیں کرتے حالانکہ یہ کتاب موجود ہے اور زہراوین کی طرح ایک اور کتاب میں مدغم ہو گئی ہے ہوا یہ کہ جب شاہ صاحب نے "ازالۃ الخفاء" تصنیف فرمائی تو تدوین مذہب فاروق اعظم کو بتمام و کمال اس میں شامل کر دیا، ازالۃ الخفا میں شامل اس کتاب کے تمہیدی الفاظ اور اختتام دیکھیے، صاف معلوم ہوتا ہے یہ ایک مستقل تصنیف ہے، وہی الفاظ اور جملے جو شاہ صاحب عموماً اپنی کتابوں کے شروع اور آخر میں لکھتے ہیں اس میں بھی لکھا ہے، مثلاً آغاز اس طرح کرتے ہیں
حمد و صلوۃ کے بعد، فیقول العبد الضعیف الراجی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبد الرحیم تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ ھذا ما وفقنی اللہ عزوجل من تدوین مذھب الخلیفۃ الاداب الناطق بالصدق والصواب امیر المومنین عمر بن الخطاب الخ[4]

[1] حدائق الحنفیہ ص۴۴۸، تاریخ التفسیر ص۶۳ نزہۃ الخواطر ششم ص۴۰۷ شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان ص۱۹، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص۲۱۹، تاریخ دعوت و عزیمت پنجم ص۳۰۵ حیات ولی ص۵۷۷ وغیرہ
[2] ڈاکٹر مظہر بقا کا بھی یہی خیال ہے دیکھیے اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص۱۰۱ [3] مقدمہ فتح الرحمان (قلمی)
[4] ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا جلد دوم ص۸۵ تا ص۱۳۲ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ

اگر یہ بحث ازالۃ الخفا کا تصنیفی حصہ ہوتی تو ان کلمات کی کوئی ضرورت اور افادیت نہ تھی، ٹھیک یہی معاملہ زہراوین کے ساتھ بھی ہوا اب اس کا ایک تصنیف کی حیثیت سے نام تو باقی ہے مگر اس کا متن فتح الرحمن میں ضم ہو چکا ہے، اس خیال کی تائید مزید اس سے ہوتی ہے کہ جناب محمد ایوب قادری نے اپنے وقیع مضمون "شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے منسوب تصانیف" میں فتح الرحمن، الفوز الکبیر، فتح الخبیر، مقدمہ در فن ترجمہ قرآن، تاویل الاحادیث کا تذکرہ کیا ہے، مگر زہراوین کا تذکرہ نہیں کیا ہے[1]

المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اور چھ صفحات پر مشتمل ہے، اس رسالہ کی تصنیف فتح الرحمن کی تسوید کے وقت عمل میں آئی جیسا کہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایں رسالہ آنست در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمہ فی قوانین الترجمہ کہ در وقت تسوید قرآن قلم بضبط آں جاری شدہ"[2] یعنی یہ رسالہ ترجمہ (قرآن) کے قاعدوں کے بیان میں ہے اس کا نام المقدمہ فی قوانین الترجمہ ہے اسے فتح الرحمان کی تسوید کے وقت ضبط قلم کیا گیا۔

فتح الرحمان کے مسودہ کی تکمیل کی تاریخ شاہ صاحب نے شعبان ۱۱۵۱ھ بتائی ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۱۵۰ھ سے ۱۱۵۱ھ کے درمیان لکھا گیا ہے اس رسالہ کے متعدد قلمی نسخے دستیاب ہیں ایک مخطوطہ بڑی تقطیع کے چھ صفحات پر مشتمل ہے اور جلی حروف میں ہے مگر اس پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے جب کہ دوسرا مخطوطہ بھی اس سے چھوٹی تقطیع کے چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی کتابت سید ابراہیم نصیر آبادی نے ۱۳ محرم الحرام ۱۲۳۲ھ میں کی[4] اس رسالہ میں شاہ صاحب نے ترجمہ کے فن، نوعیت، قواعد اور مشکلات پر گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے حسب ذیل چار قسم کے تراجم کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) لغوی ترجمہ، جسے وہ ترجمہ تحت اللفظ کا نام دیتے ہیں
(۲) اصطلاحی ترجمہ، جسے وہ بیان حاصل المعنی سے موسوم کرتے ہیں
(۳) وہ ترجمہ جو مذکورہ دونوں کے درمیان ہے
(۴) وہ ترجمہ جو شاہ صاحب نے فتح الرحمان میں اختیار کیا ہے

[1] ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا ماہنامہ مجلہ الرحیم، جون ۱۹۶۴ء حیدرآباد، پاکستان
[2] المقدمہ فی قوانین الترجمہ، مخطوطہ [3] مقدمہ فتح الرحمان، [4] یہ دونوں مخطوطات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

پہلی قسم کے ترجمہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ لکھتے ہیں اور ایک لفظ کے بعد دوسرے لفظ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں اور اس طرح پورا سلسلہ کلام مکمل ہو جاتا ہے اسے ترجمہ تحت اللفظ کہتے ہیں [1]

دوسری قسم کے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"بہت سے حضرات پورے کلام پر غور کرتے ہیں اور مجاز و کنایہ میں تقدیم و تاخیر کو پہچانتے ہیں اور اس کے معنی کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتے ہیں۔ پھر فارسی یا جس زبان میں چاہتے ہیں اس حاصل معنی کو ادا کرتے ہیں اور اس کو بیان حاصل المعنی کہتے ہیں" [2]

شاہ صاحب پھر ان دونوں قسم کے ترجموں میں حائل دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہیں پہلی قسم کے ترجمہ کی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "پہلے طریقہ میں خلل یہ ہے کہ اس صورت میں عموماً نظم ترجمہ بگڑ جاتا ہے اور ایسی ترکیب پیدا ہوتی ہے کہ دوسری زبان میں اس کا ترجمہ درست نہ ہوگا، اس میں رکاکت، پیچیدگی اور کم الفاظ کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے، اس کا سبب زبانوں کا اختلاف ہے بعض اجزائے کلام کی بعض پر تقدیم، جملوں کی ساخت، کنایوں کے استعمال اور صلات کے اطلاق اور بعض زبانوں میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال میں دشواری ہوتی ہے، استعارہ کا لفظی ترجمہ درست نہیں ہوتا بلکہ بعض زبانوں میں مطلق صحیح نہیں ہوتا مثلاً عربی میں کہتے ہیں "فلان عظیم الرماد" اور اس سے سخاوت مراد لیتے ہیں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو یہ ہوگا "فلاں بڑی راکھ والا" ہے اور اس ترجمہ سے کسی کا ذہن سخاوت کی طرف نہ جائے گا" [3]

دوسری قسم کے ترجمہ کی کمزوری اور اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسرے طریقہ میں جو خلل ہے اس کی دو وجوہ ہیں کبھی مترجم ایسے معنی کو اختیار کر لیتا ہے جو متکلم کی مراد نہیں ہوتا شاہ صاحب کے بقول کتب سابقہ میں عموماً تحریف اسی بنا پر راہ پا گئی تھی اسی ضمن میں شاہ صاحب عربی زبان کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتے ہیں اور قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی منشا بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "کہ ہر چند کہ اس سے مقصود غور و فکر اور نصیحت حاصل کرنا ہے نہ کہ الفاظ کی خصوصیات مقصود ہیں تاہم قرآن کریم کے ترجمہ کا اہم مقصد یہ بھی ہے کہ پڑھنے والے کو نظم قرآن کی معرفت میں تجربہ حاصل ہو اور اس کی عبارت میں غور و خوض کا ملکہ پیدا ہو جب کہ یہ چیز بیان حاصل المعنی میں مفقود ہے۔

تیسرے ترجمہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ایک گروہ نے دونوں قسم کے ترجمہ کی دشواریوں کو ملاحظہ کیا اور اس

---

[1] المقدمہ فی قوانین الترجمہ [2] ایضاً [3] المقدمہ فی قوانین الترجمہ

طرح ترجمہ کیا کہ تحت اللفظ ترجمہ میں اگر پیچیدگی اور رکاکت پیش آئی تو دوسرے کلام سے اس کا تدارک کیا جو مدعائے کلام کو واضح کر دے اور دو وجہوں میں سے ایک کو اختیار کرنے میں یا متشابہ کی تاویل میں دشواری دیکھی تو تحت اللفظ ترجمہ کر کے اس کا علاج کیا اور یہ طریقہ اصحاب ذوق سلیم کے مذاق کے مطابق ہے۔

چوتھی قسم کے ترجمہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ جب فقیر نے ان تینوں طریقوں اور ان کی دشواریوں کو ملاحظہ کیا تو چوتھے طریقہ کی دریافت کرنے کا خواہش مند ہوا۔ جو ان تینوں کے منافع کا جامع ہو اور ان کے خلل سے پاک ہو چنانچہ ایک طرف تو تحت اللفظ ترجمہ کو لیا اور اس کے خلل کو یاد رکھا اور اس کے فنون میں تصرف کیا، دوسری طرف بیان حاصل المعنی کو لیا اور فہم مراد کے مشکل مقامات اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے طریقہ کو ضبط کیا پھر تحت اللفظ ترجمہ کو بیروی کی ٹھیک اسی نظم کے مطابق جو قرآن میں مذکور ہے اور فصل کے صلات کے اختلاف کو اپنے اوپر ہموار کیا اور اس جگہ پر جہاں فارسی ترجمہ میں پیچیدگی اور رکاکت لازم آتی ہے یا عربی زبان میں ایسی ترکیب آئی ہے کہ اس کی نظیر فارسی زبان میں نہیں ملتی تو اس کے مساوی حرف عربی حروف میں سے اس کی جگہ رکھ کر ترجمہ کیا، مثلاً اسم فاعل زمانہ مستقبل کے لیے آتا ہے اس کے مساوی حرف فعل مستقبل معروف ہے اور اسم مفعول جو ماضی کے لیے آتا ہے اس کے مساوی حرف فعل ماضی مجہول ہے، مثلاً قل یا ایھا الکافرون و قل للذین کفروا و قل لمن کفر، حروف متساویہ ہیں۔ اسی طرح یا ایھا الذین آمنوا یا ایھا المومنون یا ھولاء المومنین ایک ہی زمرہ میں ہیں۔ فما لھم من ناصرین، فما لھم من ناصر، ایک نسق میں ہیں کیونکہ اس جگہ ناصرین سے مراد عموم جمع نہیں ہے بلکہ افراد ہے، اسی لیے ہمارے دین میں قرآن کی قرأت سات حروف میں کرنے کی اجازت ہے۔

پانچواں باب

فتح الرحمان بترجمۃ القرآن کا تنقیدی مطالعہ

فتح الرحمان، فارسی زبان میں قرآن کریم کا عام فہم اور سلیس ترجمہ ہے، ترجمہ کا آغاز شاہ صاحب نے اپنے سفر حرمین ۱۱۴۳ھ سے پہلے کیا تھا، وہ سورہ بقرہ اور آل عمران کا ترجمہ بھی کر چکے تھے پھر حج کا ارادہ ہوا اور حجاز تشریف لے گئے۔ اس دوران ترجمہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۱۱۴۵ھ میں حجاز سے واپسی ہوئی اور چند سالوں کے بعد ایک عزیز نے شاہ صاحب سے قرآن کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا[1] چنانچہ پھر شاہ صاحب کے دل میں ترجمہ قرآن کی تحریک پیدا ہوئی اور وہ اس کی تکمیل پر کمر بستہ ہوئے، شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں یہ صورت تجویز کی کہ شاگرد سبق کے مطابق ترجمہ لکھ لیا کریں۔ چنانچہ جب ثلث قرآن کا ترجمہ ہو گیا تو شاگرد موصوف کو سفر درپیش آگیا جس کے نتیجہ میں یہ سلسلہ رک گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک صورت پیدا ہوئی اس مرتبہ ترجمہ کے اس قدیم خیال کو تازہ کیا اور دو ثلث قرآن کا ترجمہ مکمل ہوا، شاہ صاحب کہتے ہیں کہ بعض دوستوں کو اس ترجمہ کی تبییض کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس ترجمہ کو قرآن کی آیات کے ساتھ لکھا جائے تاکہ نسخہ مکمل ہو جائے، ایک سعادت مند دوست نے عید الضحیٰ کے دن ۱۱۵۰ھ میں ترجمہ کی تبییض کا کام شروع کیا جب آخر مسودہ تک تبییض ہو گئی پھر ارادہ جوان ہوا اور آخر قرآن تک ترجمہ کر ڈالا ترجمہ اوائل شعبان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہو گیا جب کہ تبییض ایک مہینہ بعد یعنی رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوئی۔ ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ کے اہتمام سے منظر عام پر آئی اور مدارس کے اندر داخل ہوئی پھر اس کے متعدد نسخے تیار ہوئے اور اہل زمانہ اس کی طرف متوجہ ہوئے[2] فتح الرحمان کے مخطوطہ اور مطبوعہ دونوں نسخے دستیاب ہیں۔ یہ ترجمہ غالباً پہلی مرتبہ ماہ صفر ۱۲۸۹ھ میں مطبع نولکشور کانپور سے شائع ہوا تھا اس کے بعد دہلی، آگرہ، بریلی، کانپور، لکھنؤ، میرٹھ اور دوسرے شہروں سے متعدد مرتبہ شائع ہوا[3] غالباً آخری مرتبہ ۱۳۱۲ھ میں یہ ترجمہ دہلی سے اعظم التفاسیر کے نام سے شائع ہوا اس کے ساتھ مولانا رحیم بخش دہلوی کا اردو ترجمہ بھی ہے[4] قلمی نسخوں

---

[1] یہ عزیز شاہ عاشق الٰہی مرحوم تھے۔

[2] یہ تفصیل شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے مقدمہ میں بیان کی ہے۔[3] نولکشور کے مطبوعہ پر مقدمہ نہیں ہے البتہ حواشی موجود ہیں

[4]

میں سب سے زیادہ قدیم وہ نسخہ ہے جو ۱۱۶۵ھ میں شاہ ولی اللہ ہی کے حکم سے لکھا گیا[1]

• ترجمہ کے محرکات

فارسی کے دوسرے تراجم قرآن کی موجودگی میں شاہ صاحب کو ایک نئے ترجمہ (فتح الرحمان) کی تحریک کیوں کر ملی اس کے بارے میں وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں جداگانہ ہوتی ہے اور مختلف تقاضے رکھتی ہے، اسی لیے علماء دین اور اکابر اہل یقین نے تفسیر، احادیث، عقائد، فقہ اور سلوک پر متنوع کتابیں لکھی ہیں اور گوناگوں تالیفات رقم کی ہیں کسی گروہ نے اطناب (تفصیل بیانی) کی شاہراہ اختیار کی تو کسی گروہ نے کوچہ اختصار اپنایا، کسی جماعت نے عجم کی زبان میں گفتگو کی تو کسی گروہ نے عربی زبان میں موتی بکھیرے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اور یہ ملک جس کے ہم ساکن ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ روز مرہ کی متداول اور سلیس فارسی زبان میں اظہار فضیلت اور عبارت آرائی، متعلقہ قصوں اور توجیہات کا تذکرہ کیے بغیر قرآن عظیم کا ترجمہ کیا جائے تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے بھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں اس لیے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا، دوسرے تراجم پر غور کیا تاکہ جو ترجمہ مناسب حال ہو اس کی ترویج واشاعت کی کوشش کی جائے اور جس طرح ممکن ہو اہل زمانہ کے لیے مرغوب ہو، لیکن بعض ترجموں میں بے کیف طوالت محسوس کی اور بعض ترجموں کو مخل حد تک مختصر پایا، کوئی ترجمہ اس میزان پر پورا نہ اترا، لامحالہ نئے ترجمہ کی تالیف کا پختہ ارادہ کر لیا[2] شاہ صاحب کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں مطالعہ قرآن اور درس قرآن کا عام رجحان نہ تھا، لوگ قرآن کے بجائے رومیؒ کے اشعار اور عطارؒ کی کتاب منطق الطیر سے زیادہ شغف رکھتے تھے، حلقے بنا بنا کر اس کو سننے اور سنانے کا اہتمام کرتے اور لطف اندوز ہوتے تھے، شاہ صاحب نے اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ضروری سمجھا کہ قرآن کا عام فہم ترجمہ کر کے رائج کیا جائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "جس طرح یاران سعادت مند مولانا روم کی مثنوی شیخ سعدی کی گلستاں، شیخ فرید الدین عطار کی منطق الطیر، فارابی کے قصے، مولانا جامی کی نفحات الانس اور ان جیسی دوسری چیزیں مجلسوں میں پڑھتے ہیں کیا اچھا ہو اگر اسی طرح وہ اس ترجمہ قرآن کو اپنی مجلسوں میں پڑھیں اور اس کی تفہیم سے شغل خاطر کریں، اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام کا شغلہ ہے تو یہ شغل کلام اللہ ہے، اگر وہ حکیموں کے

---

[1] ملاحظہ ہو مولانا ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت ۱۴۲/۵، حاشیہ، لکھنؤ ۱۹۸۴ء

[2] مقدمہ فتح الرحمان

مواعظ میں تو یہ احکم الحاکمین کا موعظہ ہے اور اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات میں تو یہ رب العزت کا مکتوب ہے[1]
شاہ صاحب نے بار بار اس جذبہ کا اظہار کیا ہے کہ یہ ترجمہ عام لوگوں کی اصلاح کے لیے ان سے محبت اور شفقت کی بنا پر کیا گیا ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب عوام کی دینی اور اخلاقی سماجی اور سیاسی اصلاح کے لیے کس قدر کوشاں تھے اور اس سلسلہ میں قرآن کی اشاعت کو کس حد تک اہمیت دیتے تھے مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب پر ان کے بعض ناقدوں نے نہ جانے کیوں یہ الزام لگایا کہ انھوں نے یہ ترجمہ اپنے ادبی اور روحانی ذوق کی تسکین کے لیے کیا تھا اور انھوں نے ترجمہ کی اشاعت (Production) پر توجہ نہیں دی[3]

جب کہ یہ ترجمہ اگر ایک طرف زبان و ادب اور الفاظ و معانی کی نزاکتوں کی رعایت کے لحاظ سے مثالی ہے تو دوسری طرف شاہ صاحب نے اس کی صحت اشاعت اور عام استفادہ پر بھی توجہ دی۔ شاہ صاحب کے احساس ذمہ داری اور کمال احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے فتح الرحمان کے مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے کاتب حضرات کو بایں الفاظ نصیحت فرمائی ہے۔

"اس ترجمہ کے کاتبوں کے لیے اس فقیر کی وصیت یہ ہے کہ قرآن کی عبارت کو جلی حروف میں لکھیں اور اعراب و سرخی کو ترجمہ سے ممتاز کریں۔ احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ میں کوئی تحریف نہ درآئے اور اشتباہ کی جگہوں پر مکمل جملہ کو سرخ نقطہ کے ذریعہ ما بعد سے جدا کریں اور اضافی و توصیفی ترکیب کو مضاف و موصوف کے کسرہ (زیر) کے ساتھ لکھیں تاکہ مبتدیوں پر روشن ہو۔ اگر ترجمہ میں کوئی لفظ مبتدیوں کے لیے نامانوس لگے یا کوئی تقریر بچوں کے ذہن کے لیے دشوار معلوم ہو تو سعادت مند احباب کتاب کے حاشیہ پر اس کے معنی لکھ دیں تاکہ کسی فرد کو مشکل نہ معلوم ہو"[4]

غور کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کی اشاعت میں کتنی باریکیوں کا خیال رکھا ہے اور اس کی صحت اور نزاکت کا کتنا لحاظ کیا ہے۔ کیا اس کے باوجود یہ کہنا مبنی بر انصاف ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ترجمہ کے پروڈکشن کو ترجیح نہیں دی؟

---

[1] مقدمہ فتح الرحمان

[2] ایں ترجمہ بنا بر شفقت خلق اللہ مولف شد۔ مقدمہ فتح الرحمان

[3] S.A. Rizwi, Shah Waliullah and his time, Australia, 1980, P. 231.

[4] مقدمہ فتح الرحمان

ایک تاریخی غلط فہمی

بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ اس ترجمہ کی اشاعت کی وجہ سے شاہ صاحب کی مخالفت کی گئی اور ان پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ چنانچہ حیات ولی کے مصنف نے ایک ہم عصر فاضل کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جب شاہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت کی تو ایک تہلکۂ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں برپا ہوگیا اور یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی۔ اب جہلا کبھی قبضہ میں نہیں آئیں گے اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس خیال نے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی اور علاوہ کفر کا فتویٰ دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیوں کر قتل کیا جائے[1]

مولف مذکور نے اس واقعہ کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ پھر عصر کی نماز کے بعد مفسدین (علماء) جو تعداد میں سو سے زیادہ تھے شاہ صاحب پر حملہ آور ہوئے اور جب شاہ صاحب نے اپنا گناہ پوچھا تو انھوں نے کہا "تو نے قرآن کا ترجمہ کر کے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری وقعت کو کھو دیا اور اسی بنا پر شاہ صاحب نے دہلی چھوڑ کر عرب جانے کا قصد کیا۔"[2]

کوثر سیریز کے مصنف شیخ محمد اکرام نے بھی اس واقعہ کو بلا کسی تحقیق کے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ان کے بقول جب علماء کو اس (ترجمہ) کا پتہ چلا تو تلواریں کھینچ کر آگئے کہ یہ کلام مجید کی انتہائی بے ادبی ہے[3] جائزہ تراجم قرآن کے مولفین نے بھی اس کو درست تسلیم کر کے لکھا ہے کہ کم فہموں نے قرآن کریم کی اس عظیم ضرورت کو احداث فی الدین قرار دے کر شاہ صاحب کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا[4] مفسطر نے آگے بڑھ کر یہ بھی لکھ دیا کہ پوری اسلامی تاریخ میں سوائے بربری رہنما ابن تومرت (Tumarth) کے جس نے عربی پر ضرب لگانے کے لیے قرآن کا غیر عربی میں ترجمہ کیا دوسری کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک مسلمان نے غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ

---

[1] حیات ولی ص ۴۱۸ نیز ملاحظہ ہو پروفیسر مجیب کی کتاب The Indian Muslim, P. 277.
نیز دیکھیے ڈاکٹر زبید احمد کی کتاب The Contribution of Indo Pakistan to Arabic Literature, Introduction, History of Freedom Movement, P. 501.

[2] حیات ولی ص ۲۰ - ۲۱۸

[3] رود کوثر ص ۵۵۲ نیز دیکھیے

[4] جائزہ تراجم قرآنی ص ۱ نیز دیکھیے (محمد اسماعیل گودھروی) کی کتاب ولی اللہ ص ۶۲، لاہور ۱۹۶۸ء

کیا ہو اور وہ قابل قبول سمجھا گیا ہو، علمار کے علاوہ متوسط مسلمان یقین رکھتے تھے کہ قرآنی تقدس کے پیش نظر عربی ہی میں قرآن کو پڑھنا چاہیے پھر انھوں نے اس کے ثبوت میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ مارماڈیوک پکتھال نے ۱۹۲۶ء میں جب انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کر کے علمار ازہر سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے فتویٰ دیا کہ مترجم اور جو اس ترجمہ کو پڑھے یا تصدیق کرے وہ گنہگار ہوگا [1]

مضطر کا یہ بیان محتاج ثبوت ہے کہ ابن تومرت [۴۸۵ھ — ۵۲۴ھ مطابق ۱۰۹۲ — ۱۱۳۰ء] نے عربی زبان پر ضرب لگانے کے لیے غیر عربی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، کیوں کہ ابن تومرت قرآن و سنت کے بڑے پابند تھے بدعات و منکرات پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے تھے، اور غلبہ اسلام کا جذبہ بھی ان میں بہت تھا [2] اسی طرح مضطر کا یہ بیان بھی مغالطہ آمیز ہے کہ علمار ازہر نے پکتھال کے ترجمہ پر گناہ کا فتویٰ صادر کیا تھا، اگر اسے درست مان لیا جائے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس مخالفت کی وجہ قرآن کا ترجمہ غیر عربی زبان میں کرنا تھا علامہ پکتھال کے ترجمہ پر اعتراض کی نوعیت وہی ہو سکتی ہے جو عبداللہ یوسف علی ۱۹۴۹ء کے انگریزی ترجمہ قرآن پر اعتراضات کی ہے، یعنی خود ترجمہ قرآن کی خامیاں اور کمزوریاں باعث تنقید ہوں،

بعض اور دانشوروں نے بھی شاہ صاحب سے متعلق اس ناخوشگوار واقعہ کا تذکرہ رنج اور افسوس کے ساتھ کیا ہے [3] مگر اس واقعہ کی صحت و صداقت حسب ذیل وجوہ کی بنا پر مشتبہ معلوم ہوتی ہے، اول یہ کہ

---

[1] Shah Wahullah a saint scholor of Muslim India P. 91.

[2] ابن تومرت کا نام محمد بن عبداللہ بن تومرت، کنیت ابو عبداللہ لقب مہدی کا ہے، مہدی الموحدین بھی کہا جاتا ہے نسبت مصمودی اور بربری ہے مغرب اقصیٰ میں جبل سوس کے قبیلہ ہرغہ سے تعلق رکھتے تھے، عراق میں ۵۰۰ھ میں تعلیم حاصل کی مکہ مکرمہ میں ایک مدت تک مقیم رہے، تقویٰ و دین داری میں اور منکرات سے روکنے میں مشہور ہوئے اہل مکہ اسی بنا پر ان کے مخالف ہوئے، ابن تومرت وہاں سے مصر گئے پھر مغرب اقصیٰ آئے اور مہدیہ میں مقیم ہوئے وہاں بھی آلات غنا اور شراب کے برتنوں کو توڑنے سے باز نہ آئے پھر وہاں سے ملالہ پہونچے اور عبدالمومن بن علی القیسی الکومی کے ساتھ مل کر ایک جماعت تیار کی اور ان کے ساتھ مراکش چلے گئے اور بادشاہ یوسف بن تاشفین کے دربار میں پہونچے وہاں بھی بدعات و منکرات پر تنقید کی وہاں سے حمص چلے گئے اور وہاں وعظ و نصیحت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے تاآنکہ وہاں کے مصلح قرار پائے۔ دیکھیے الاعلام ۷/۱۰۴، دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ۴۴۳/۱ لاہور ۱۹۶۳ء، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی (فارسی) ۱۵۵/۴ تہران ۱۳۶۹ھ،

[3] مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۶۴، مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۳۳۲، جهود اهل الحدیث فی خدمة القرآن الکریم ص ۲۱

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ترجمہ کی اس انداز سے کیوں مخالفت کی گئی؟ کیا علمار واقعی برہمنوں کی طرح عوام کو قرآن فہمی کا حق دینے کے لیے تیار نہ تھے یا وہ سمجھتے تھے کہ قرآن کا غیر عربی میں ترجمہ کرنا گناہ ہے؟ یہ دونوں باتیں ناقابل فہم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود شاہ صاحب کی تحریروں سے اس اہم واقعہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حالاں کہ شاہ صاحب نے اپنے ذاتی اور خاندانی حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں یہاں تک کہ جزئیات کو بھی قلم بند کیا ہے [1] اگر ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا ذکر کرتے اس کے برعکس انھوں نے لکھا ہے کہ جب فتح الرحمان کی تکمیل ہوئی تو معاصرین اس کی طرف متوجہ ہوئے [2] ظاہر ہے کہ یہ بیان غلط اور بے معنی ہوتا اگر شاہ صاحب کسی حادثہ سے اس ترجمہ کی وجہ سے دوچار ہوئے ہوتے جس کا تذکرہ نگار حضرات بڑی شرح و بسط سے ذکر کرتے ہیں تیسرے یہ کہ حیات ولی میں سب سے پہلے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن خود حیات ولی میں مذکور ہے کہ بڑے بڑے علمار فضلار جنھوں نے خود امام وقت اور مجتہد فن کا تمغہ پبلک سے حاصل کیا تھا اور جو معتقد علیہ عوام و خواص تسلیم کیے جاتے تھے، نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے خدا داد تبحر اور علمی برکتوں سے بہرہ اندوز ہو کر آپ کی ذاتی قابلیتوں، فطری لیاقتوں اور بلند ہمتی و ذوق علمی کا اعتراف کرتے تھے [3] یہ بات قابل غور ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن کے ترجمہ کا آغاز اگرچہ سفر حجاز سے پہلے کیا تھا مگر مکمل ترجمہ سفر حجاز سے واپسی کے کئی سال بعد کیا تھا اور ۱۱۵۱ھ میں اس کی اشاعت ہوئی پھر یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ ترجمہ قرآن کی اشاعت کی وجہ سے جو طوفان برپا ہوا تھا وہی شاہ صاحب کے سفر حجاز کا باعث تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے اس واقعہ کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "جب شاہ صاحب نے قرآن کا ترجمہ کیا اس وقت دہلی پر نجف خاں کا تسلط تھا وہ شیعی عقائد رکھتا تھا اسے یہ ناگوار ہوا کہ عام مسلمان براہ راست قرآن سے استفادہ کریں اس لیے اس نے کچھ شرارت پسندوں کو بھیج کر شاہ صاحب کو پریشان کیا، شاہ صاحب مسجد فتح پوری میں عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے شاہ صاحب کی شان میں گستاخی کی" [4] امیر شاہ خاں کی روایت تو یہ ہے کہ نجف خاں نے شاہ صاحب کے پہونچے اتروا دیے [5] مگر یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے کیوں کہ خانوادہ ولی اللہی سے نجف خاں کی عداوت اگرچہ مسلم ہے مگر شاہ صاحب

---

[1] ملاحظہ ہو الجزء اللطیف فی ترجمۃ عبدالضعیف مشمول انفاس العارفین، [2] مقدمہ فتح الرحمان

[3] حیات ولی ص ۳۸۶-۸۷

[4] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۴۴، [5] امیر الروایات ص ۳۳

کے وقت میں نجف خاں کا دہلی آنا ثابت نہیں، بلکہ ان کی وفات کے دس سال بعد ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم ثانی کے ساتھ الٰہ آباد سے دہلی آیا پھر ترقی پاکر امیر الامرا بنا اور ۱۷۸۲ء میں وفات پائی[1]

بعض اہل علم ایک اور غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی زبان میں قرآن مجید کا کوئی ترجمہ رائج نہ تھا[2] بلکہ بعض اہل علم تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب سے بیشتر ہندوستان میں کوئی مستند فارسی ترجمہ کسی ہندوستانی عالم کا موجود نہ تھا، شاہ ولی اللہ سب سے پہلے شخص ہیں کہ آپ نے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا[3] یہ دونوں باتیں مغالطہ آمیز ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں، چنانچہ اس کتاب کے پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ ان تراجم و تفاسیر کا جائزہ لیا جاچکا ہے جو شاہ صاحب سے قبل لکھی گئیں۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کی حیثیت ہندوستان میں کئی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ ایک تو یہ کہ فارسی کے جو تراجم ہندوستان میں رائج ہوئے ان میں اس ترجمہ کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا اور یہ کہ بعض پہلوؤں سے آج بھی زندہ ہے جب کہ فارسی زبان مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ ہی ہندوستان سے عوامی سطح پر رخصت ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ شاہ صاحب کے اس ترجمہ کے بعد قرآنی علم و ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا اس دور کی ضرورت کا لحاظ اس ترجمہ میں موجود ہے یہ ترجمہ اگرچہ فارسی زبان میں ہے مگر اردو کے تراجم کا امام اور رہنما ہے اس لیے اسے سید التراجم بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ آج تک اردو میں جتنے ترجمے ہوئے ان سب میں جس ترجمہ کو اولیت اور فضیلت حاصل ہے وہ شاہ عبد القادر صاحبؒ کا موضح قرآن اور شاہ رفیع الدین کا ترجمہ قرآن ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی ۱۹۷۶ء لکھتے ہیں "شاہ صاحب کا ترجمہ بالفرض بالکل ناقص ہوتا جب بھی فضل تقدم و شرف اولیت کے لحاظ سے بے مثال ہوتا چہ جائیکہ جب صحت و تحقیق کے لحاظ سے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر ہو۔ اور فتح الرحمان تو جچے تلے چھوٹے چھوٹے اشارے اور حاشیہ ایجاز و جامعیت میں اپنی نظیر آپ ہے"[4] شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ کے صاحب زادگان اور ان کی آغوش کے تربیت یافتہ تھے، شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ اپنی انفرادیت کے باوجود بہت حد تک ان کے والد کے ترجمہ کی آزاد ترجمانی کرتا ہے جب کہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ان کی پوری پیروی کرتا ہے، پھر یہی دو ترجمے ہیں جنھوں نے اردو دنیا میں قرآنی علم و معرفت کا دروازہ کھولا ہے اور آج بھی مترجمین کے لیے نقش راہ ہیں، مولانا اخلاق حسین قاسمی

---

[1] مفتاح التواریخ ص۳۵۹ [2] رود کوثر ص۵۱

[3] محمد ظفیر الدین، تعارف مخطوطات کتب خانہ دار العلوم دیوبند ص۴، نیز Mohommed Yusuf KoKan, The Holy Quran in Tamil Translation P. 136

[4] ماہنامہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر ص۱۳، جلد ۷، ۱۳۵۹ھ بریلی

صاحب لکھتے ہیں "حضرت شاہ صاحب کے اس ترجمہ کی حیثیت تمام اردو تراجم میں استاذ کی ہے اسی ترجمہ نے آپ کے صاحب زادوں کو ترجمہ کی راہ بتائی اور عجمی زبان (اردو) میں کلام الٰہی کو سمجھانے کا حوصلہ بخشا اور پھر یہ تینوں تراجم دوسرے تراجم کے لیے سنگ بنیاد ثابت ہوئے[1] مختصر یہ کہ فتح الرحمان صرف ایک ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ قرآن کی تحریک ہے۔

فتح الرحمان کی خصوصیات

فارسی کے دیگر تراجم کے مقابلہ میں فتح الرحمان کا جو امتیاز ہے اس پر شاہ صاحب نے خود ہی روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ دوسرے ترجموں سے متعدد وجوہ سے ممتاز ہے۔

(۱) ایک یہ کہ قرآن کی عبارت کا اسی مقدار کے مطابق متعارف فارسی زبان میں اظہار مراد اور لطافت تعبیر کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور دوسرے تراجم میں عبارت کی طوالت، تعبیر کی رکاکت اور مفہوم کے سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے حتی الامکان اس سے احتراز کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ سارے ترجمے دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو قرآن سے متعلق قصوں کو مطلقاً چھوڑ دیا گیا ہے یا ان تمام کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے، جس جگہ آیت کا معنی قصہ پر موقوف ہے وہاں اس کے دو تین جملے منتخب کیے گئے ہیں اور جہاں آیت کا معنی قصہ پر موقوف نہیں ہے وہاں اسے ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ مختلف توجیہات میں عربی کے اعتبار سے زیادہ مضبوط علم حدیث اور علم فقہ کے اعتبار سے زیادہ درست اور صرفی لحاظ سے کم الفاظ کی توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے، جو کوئی تفسیر وجیز[2] اور تفسیر جلالین[3] جو کہ اس ترجمہ کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسری تفاسیر کا مطالعہ کرے گا وہ اس میں ذرا بھی شک نہ پائے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ یہ ترجمہ کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ جو کوئی نحو کا جاننے والا ہے۔ اس سے قرآن کے اعراب محذوف کی تعیین، ضمیر کا مرجع اور لفظ کا محل وغیرہ جو کہ عبارت میں مقدم و مؤخر کیا گیا ہے، وغیرہ کو جان سکتا

---

[1] محاسن موضح قرآن ص۳ [2] یہ امام علی بن احمد بن محمد ابوالحسن الواحدی نیشاپوری م ۴۶۸ھ کی تفسیر ہے واحدی نے تفسیر وجیز کے علاوہ دو مزید تفسیریں وسیط اور بسیط کے نام سے لکھی ہیں ان کی ایک کتاب اسباب النزول بھی معروف ہے ملاحظہ ہو کشف الظنون ۱/۴۶

[3] یہ علامہ جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ اور علامہ جلال الدین محلی م ۸۶۴ھ کی معروف و متداول تفسیر ہے۔

ہے اور جو شخص نحو نہیں جانتا وہ بھی اصل مقصد سے محروم نہیں رہے گا۔

(۵) پانچویں یہ کہ قدیم تراجم کی دو صورتیں ہیں یا تو ترجمہ تحت اللفظ ہے یا ترجمہ حاصل المعنی ان دونوں میں بہت سی دشواریاں (خلل) پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ ترجمہ دونوں قسم کے ترجمہ کو جامع ہے[1]

شاہ صاحب نے یہ ترجمہ چونکہ عوام میں قرآن فہمی کا رجحان عام کرنے کے لیے کیا ہے اس لیے ترجمہ کے بیچ بیچ میں تشریحی الفاظ کا اضافہ کر کے مدعا، کلام کی وضاحت کی ہے اس طرح یہ ترجمہ محض ترجمہ نہیں ہے بلکہ ترجمانی کا کام کرتا ہے[2] عوام الناس میں فہم قرآن کا ذوق پیدا کرنے کے لیے شاہ صاحب نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ ان مقامات پر جہاں مفسرین نے طویل بحثیں کی ہیں اور مختلف تاویلات و توجیہات کے ذریعے مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہاں وہ بڑی سادگی سے گذر جاتے ہیں اور بحث کو سرے سے چھیڑتے نہیں تاکہ قاری کا ذہن اس میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مشکل مقامات کی توجیہ، متشابہات کی تاویل اور ان جیسے مقامات میں علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ہے اگر بنظر تحقیق دیکھو تو یہ مذاہب اہل شرع نہیں ہیں بلکہ شریعت میں عقل کی مدد سے موشگافی کی ایک قسم ہے۔[3] بہر صورت عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے مروجہ فارسی تراجم میں فتح الرحمان ایک انفرادی حیثیت کا حامل ہے اور اس کی انفرادیت کئی اعتبار سے مسلم ہے، ذیل میں اس ترجمہ کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی جاتی ہے۔ اس ترجمہ میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے قرآن کے مطالب واضح ہو جاتے ہیں اور مدعا، کلام کی تفہیم کے لیے وہ کافی ثابت ہوتا ہے۔

یعنی فتح الرحمان قرآن کریم کا ترجمہ ہی نہیں ترجمانی بھی ہے، اسی لیے اس میں سلاست اور روانی ہے۔

ایک سے زیادہ معانی میں ترجیح

فتح الرحمان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جہاں دو یا چند معانی اور مفاہیم کی گنجائش ہے یا مفسرین نے آیت کے کئی معنی علی سبیل الاختلاف مراد لیے ہیں وہاں شاہ صاحب نے اپنے تفسیری ذوق کی مناسبت سے ترجمہ کیا ہے اور اس بات کی پابندی نہیں کی ہے کہ وہ وہی راہ اختیار کریں جو عام مفسرین

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الرحمان

[2] بعد کے اردو مفسرین میں بہت سے لوگوں نے یہی انداز ترجمہ اختیار کیا ہے مگر وضاحتی الفاظ کے لیے قوسین ( ) کی علامت استعمال کی ہے شاہ صاحب کے زمانے میں غالباً قوسین کے استعمال کا رواج نہ تھا۔

[3] مقدمہ فتح الرحمان

کی ہے بلکہ اگر کسی نے کوئی غیر معروف رائے دی اور وہ شاہ صاحب کے نزدیک زیادہ مناسب حال ہے تو وہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت شاہ صاحب کے سامنے مفسرین کے اقوال و اختلاف موجود رہتے ہیں۔ مولانا نذیر احمد مرحوم شاہ صاحب کی اس خصوصیت کا ادراک کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فی الحقیقت قرآن کے مترجم ہونے کے لیے جتنی باتیں درکار تھیں ترجمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب شاہ ولی اللہ میں علی وجہ الکمال پائی جاتی تھیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا صاحب کی نظر تفاسیر، احادیث اور دین کی کتابوں پر ایسی وسیع ہے کہ بس انہی کا حصہ تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک آیت بلکہ ہر ایک لفظ کی نسبت مفسرین کے جتنے اقوال ہیں وہ سب ان کے پیش نظر ہیں اور وہ ان میں سے جس کو راجح پاتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں"[1] مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی یہ آیت " وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرہ ۱۴۳)

اس کا ترجمہ شاہ صاحب یوں کرتے ہیں

" و ہمچنیں ساختیم شمارا گروہ مختار تا گواہ باشید بر مردماں و تا گواہ باشد رسول بر شما"

(اور اسی طرح ہم نے تم کو گروہ مختار بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں)

وسطا ایک جامع لفظ ہے جس کا ترجمہ مفسرین نے خیار (پسندیدہ) معتدل، اجود اور وسط وغیرہ کیا ہے کسی نے الخیار الاجود کیا ہے[2] اور کسی نے خیار اعدلا کیا ہے[3] کسی نے وسطا ای عدلا لکھا ہے[4] اور کسی نے "خیارا" ترجمہ کر کے اس کی وضاحت "وسط الشیٔ" سے کی ہے[5] اور ان تمام مفاہیم کی گنجائش اس لفظ میں موجود ہے مگر شاہ صاحب نے موقع کلام کی مناسبت سے "مختار" ترجمہ کیا ہے اس میں پسندیدگی کے علاوہ قوت اور شوکت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، یہ ترجمہ اگرچہ "خیارا" ہی سے ماخوذ ہے۔ لیکن اس ترجمہ نے آیت کے مفہوم کو بہت بلند کر دیا ہے اسی طرح سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت یعنی

وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین البقرہ (۱۷۷) کا ترجمہ شاہ صاحب نے یوں کیا ہے "و بدہد مال باوجود دوست داشتن آں مال خداوندان خویش را و یتامیٰ را و فقیراں را" (اور مال دے اس مال کو دوست رکھنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں اور فقیروں کو) جب کہ علی حبہ کی ضمیر کا مرجع بہت سے مفسرین نے اللہ کو قرار دیا ہے یعنی اللہ کی وجہ سے اس کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے یہاں

---

[1] رود کوثر ص ۵۵۳-۵۵۴، [2] تفسیر ابن کثیر سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳، [3] جلالین نیز ملاحظہ ہو روح المعانی البقرہ آیت ۱۴۳

[4] جامع البیان، الطبرسی البقرہ ۱۴۳، [5] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل البقرہ آیت ۱۴۳

اس معنی کو ترجیح دی ہے کہ مال کی محبت کے باوجود خدا کی راہ میں اسے خرچ کرنا اصل نیکی ہے۔ اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "افضل الصدقۃ ان تصدق وانت صحیح شحیح تامل الغنی وتخشی الفقر"[1] بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم اس حالت میں صدقہ کرو جب کہ تم صحت مند ہو تم کو مال کی محبت ہو، مالداری کی امید اور فقر کا اندیشہ ہو یعنی معتدل حالات میں خرچ کرنا اصل نیکی ہے اسی طرح حسب ذیل آیت دیکھیے

واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لایحب الفساد (البقرہ ۲۰۵) جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے حالاں کہ اللہ فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

اس کا ترجمہ شاہ صاحب نے یوں کیا ہے "وچوں ریاست پیدا کند شتابد در زمین تا تباہی کند در انجا و نابود سازد زراعت و مواشی را و خدا دوست ندارد تباہ کاری را" یعنی تولی یہاں "صار والیا" کے معنی میں ہے جب کہ عام طور پر مفسرین نے "واذا تولی" کو "ادبر" کے معنی میں لیا ہے[2] جس طرح سورۃ القیامہ میں کہا گیا "فلا صدق ولا صلی ولکن کذب وتولی" جس کا مطلب یہ ہے کہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو فساد فی الارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کھیتوں اور نسل انسانی کو غارت کرتے ہیں شاہ صاحب کے ترجمہ کا یہ فائدہ ہے کہ خدا سے بے نیاز بادشاہوں اور حاکموں کی آمریت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ وہ اقتدار ملنے کے بعد کس قسم کی تباہی مچاتے ہیں اسی مفہوم کو سورہ النمل کی یہ آیت بھی تقویت پہونچاتی ہے "قالت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون (النمل ۳۴) ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔

یہ کچھ گذشتہ زمانہ کا ہی دستور نہیں تھا بلکہ آج بھی بادشاہوں اور فرمان رواؤں کا یہی دستور ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا مطیع بنانے کے لیے ایسے بے شمار مظالم ڈھاتے ہیں۔ اردو مفسرین نے بھی بالعموم واذا تولی کو ادبر کے معنی میں لیا ہے، مگر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شاہ صاحب کے ترجمہ کی پیروی کی ہے[3] شاہ صاحب سے پہلے بھی بعض حضرات نے اس ترجمہ کو پسند کیا ہے، زمخشری لکھتے ہیں "وقیل واذا تولی اذا

---

[1] متفق علیہ [2] جامع البیان، تفسیر البقرہ آیت ۲۰۵
[3] ترجمان القرآن ۱/۶۳-۱۶۲، تفہیم القرآن ۱/۱۵۹

کان والیا فعل ما یفعلہ ولاۃ السوء من الفساد فی الارض باھلاک الحرث والنسل"[1] بعض لوگوں نے اذا تولی کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب وہ حکمراں ہوتا ہے تو وہی حرکت کرتا ہے جو بگڑے ہوئے فرمانروا کرتے ہیں یعنی کھیتوں اور نسل کو غارت کر کے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) علامہ آلوسی نے اس قول کو امام ضحاک کی طرف منسوب کیا ہے۔ قال الضحاک اذا غلب وصار والیا"[2] اس ترجمہ میں جو زور اور معنویت ہے وہ دوسرے ترجمہ سے کہیں زیادہ ہے۔

آل عمران کی آیت "ولیعلم الذین آمنوا ویتخذ منکم شھداء (آل عمران ۱۴۰) میں شہداء کا ترجمہ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے گواہ یعنی شاہد حال کیا ہے، اور شاہ صاحب نے "شہید" کیا ہے (تا تمیز کند خدا مومناں را و شہید گرداند بعضے را از شما)

سیاق و سباق کے لحاظ سے شاہ صاحب کا ترجمہ قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے اس میں شہادت کی عظمت اور اللہ کی محبت کی طرف اشارہ ہے اور شہید تو شاہد حال بدرجہ اتم ہوتا ہے۔

سورہ آل عمران کی دوسری آیت یا یھا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران ۲۰۰) کا ترجمہ کرتے ہیں۔

"اے مومناں صبر کنید و محنت کشید و برائے جہاد آمادہ باشید و بترسید از خدا باشد کہ رستگار شوید (اے مومنو صبر کرو اور محنت و مشقت اٹھاؤ اور جہاد کے لیے آمادہ رہو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم نجات پاؤ)

رابطوا کا مطلب عام مفسرین نے عبادت میں ملازمت و مداومت اور مسجد سے وابستگی بیان کیا ہے۔ اور اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ہی رباط ہے[3]

مگر شاہ صاحب نے رابطو سے مراد جہاد لیا ہے لفظ میں اس معنی کی بڑی گنجائش ہے۔ متقدمین میں بعض لوگوں کا رجحان بھی یہی ہے[4]

آل عمران کی آیت "ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ماجاءھم العلم بغیا بینھم (آل عمران ۱۹) کا ترجمہ شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں" ہر آئینہ دین

---

[1] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل البقرہ آیت ۲۰۵ [2] روح المعانی، البقرہ آیت ۲۰۵
[3] متفق علیہ [4] صفوۃ التفاسیر ۱/۲۷۵

معتبر نزدیک خدا اسلام است، و اختلاف نکردند یعنی در قبول اسلام اہل کتاب مگر بعد از آنکہ آمد بایشاں دانش از روئے حسد درمیان خویش" (یقیناً معتبر دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اور قبول اسلام میں اختلاف نہیں کیا اہل کتاب نے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس دانش آگئی باہمی حسد کی وجہ سے) ترجمہ میں "در قبول اسلام" کا اضافہ کر کے شاہ صاحب نے یہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معاملہ میں اہل کتاب حق کو سمجھ بوجھ کر اختلاف میں پڑ گئے۔ بعض تو یقیناً مسلمان ہو گئے مگر اکثر کافر رہے ان کے کفر کی وجہ بنی اسماعیل سے حسد کے علاوہ کچھ اور نہ تھی۔ جب کہ مفسرین نے یہاں فی نفسہ اختلاف مراد لیا ہے جو یہودیوں کی عادت تھی اور جس کی طرف قرآن میں متعدد مواقع پر اشارہ کیا گیا ہے، لیکن شاہ صاحب نے جس رائے کو ترجیح دی ہے وہ آیت کے مدعا کو زیادہ واضح کرتی ہے اس رائے کو زمخشری نے "قیل" سے ذکر کیا ہے[1] اسی طرح سورہ النساء کی پہلی آیت "واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام۔ (النساء ۱) اور ڈرو اس خدا سے کہ جس کے حوالہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قبیلہ داری کے تعلقات بگاڑنے سے پرہیز کرو۔

کا ترجمہ شاہ صاحب نے یوں کیا ہے "بترسید از آں خدا کہ از یک دگر بنام او سوال می کنید و بترسید از قطع قبیلہ داری" اس میں شاہ صاحب نے زمخشری کی پیروی کی ہے اور دیگر مفسروں نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ڈرو اس رحم سے جس کا حوالہ دے کر تم سوال کرتے ہو۔ اسی طرح سورہ انفال کی یہ آیت دیکھیے۔

"یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین۔ (انفال ۶۴) اے نبی تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہل ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "اے پیغامبر کفایت کنندہ است ترا خدا و آنانکہ پیروی تو کردہ اند از مسلمان" اے پیغامبر تمہارے لیے کافی ہے خدا اور وہ مسلمان جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔

اس ترجمہ میں گویا یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی طرف سے اور مومنوں کی طرف سے حضرت نبی صلعم کو کفار کے مقابلہ میں کافی ہونے کی ڈھارس بندھائی ہے اس میں جہاں نبی صلعم کی خاطر طبع منظور ہے وہاں مومنوں کی حوصلہ افزائی بھی مقصود ہے جب کہ دوسرے ترجمہ کے لحاظ سے اللہ آنحضورؐ اور مومن حضرات ہر دو کے لیے بجائے خود کافی ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس ترجمہ میں توکل علی اللہ پر زیادہ زور ہے اس مفہوم کی ایک آیت اوپر گذری ہے (انفال ۶۲) اور اسی سیاق میں شاہ صاحب نے اس آیت کا مفہوم متعین کیا ہے۔ سورہ یونس کی آیت۔

---

[1] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، سورۃ آل عمران آیت ۱۹

"وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (یونس ۶۶) اور جو لوگ اللہ کے سوا شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اس آیت میں حرف "ما" کو عام مفسروں نے موصول مانا ہے مگر شاہ صاحب نے اس کو موصولہ کے بجائے نافیہ تسلیم کیا ہے اور اس طرح ترجمہ کیا ہے" و پیروی نمی کنند آنانکہ پرستش می کنند بجز خدائے شریکاں را بحقیقت پیروی نمی کنند مگر وہم را و نیستند مگر دروغ گو۔

اس ترجمہ میں معنویت یہ ہے کہ مشرکین خود اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اسے اپنے جھوٹے خداؤں کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت کو لیجیے۔

"واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنھا تدمیرا (بنی اسرائیل ۱۶) اور جب ہم کسی آبادی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ کے سرکشوں کو حکم دیتے ہیں جو کچھ ہم چاہتے ہیں پس وہ اس جگہ نافرمانی کرتے ہیں تب اس آبادی پر عذاب ثابت ہو جاتا ہے تو ہم ان لوگوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں" کا ترجمہ کرتے ہیں۔

"و چوں خواہیم کہ ہلاک کنیم دیہے را میفرمائیم بشر کشاں آنجا آنچہ خواہیم پس نافرمانی کردند آنجا پس ثابت شد بر آں دیہ وعدہ عذاب پس برہم زدیم ایشاں را برہم زدنی" یہاں "امرنا" کا ترجمہ اکثر مفسرین نے اس طرح کیا ہے کہ ہم ان سرکشوں کو فسق کا حکم دیتے ہیں یعنی اس کو مفسرین بصیغہ تکوین سمجھتے ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے مفسرین نے "امرنا" کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ ہم ان کو طاعت کا حکم دیتے ہیں پھر وہ نافرمانی کرتے ہیں مگر زمخشری نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ طاعت کے حذف کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے یہ ناجائز ہے اور فسق کے حذف کرنے پر آگے کا لفظ ففسقوا دلالت کرتا ہے[1]

شاہ صاحب نے اس جگہ اگرچہ طاعت ہی مراد لیا ہے مگر بڑی خوبصورتی سے اس کو "آنچہ می خواہیم" کا اضافہ کر کے نبھایا ہے۔ اس طرح اس ترجمے نے آیت کا مدعا متعین بھی کر دیا ہے اور نحوی اشکال سے پہلو بچا لیا ہے۔

---

[1] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، بنی اسرائیل آیت ۱۶

فقہی نکات کا لحاظ

اس ترجمہ میں شاہ صاحب نے حسب موقع فقہی نکتہ کو بھی ملحوظ رکھا ہے، آیت کا ترجمہ اس ڈھنگ سے کیا ہے کہ قاری کا ذہن فوراً صورت مسئلہ کی طرف مبذول ہوجاتا ہے مثلاً وللمطلقت متاع بالمعروف (البقرہ ۲۴۱) کا ترجمہ کیا ہے "وطلاق دادہ شدگان را لازم است بہرہ مند ساختن یعنی نفقہ و سکنی" یہاں "متاع" کا لفظ جس کی وضاحت شاہ صاحب نے نفقہ اور سکنی سے کی ہے فقہی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے بعض مفسرین نے بھی اگرچہ یہی معنی یعنی نفقہ عدت مراد لیا ہے [۱] لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک اس سے مراد کچھ اور ہے فقہ حنفی کے مطابق ایک جوڑے لباس کو متاع کہتے ہیں [۲] فقہ مالکی کے مطابق آدمی مطلقہ کو اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ دے وہ متاع ہے [۳] فقہ شافعی کے مطابق متاع کی تعیین اس طرح کی گئی ہے کہ صاحب حیثیت کے لیے ایک خادم، اوسط درجہ کے آدمی کے لیے ایک جوڑا کپڑا اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ تیس درہم یا اس کے مساوی کوئی چیز دی جائے [۴] گویا ائمہ فقہ نے متاع سے مراد نفقہ اور سکنی نہیں لیا ہے مگر شاہ صاحب نے اسی کو اختیار کیا ہے اسی طرح وللمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء" (البقرہ ۲۲۸) میں قروء سے مراد امام ابو حنیفہ نے حیض اور امام شافعی نے طہر لیا ہے [۵] شاہ صاحب نے ترجمہ میں دونوں مفاہیم کی رعایت کی ہے وہ کہتے ہیں "واں زناں کہ طلاق دادہ شد ایشاں را انتظار سہ حیض یا سہ طہر کنانند" اور وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی ہے وہ تین حیض یا تین طہر انتظار کریں۔

موقع کلام کی رعایت

اس ترجمہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں موقع کلام کی نزاکت کا پورا لحاظ پایا جاتا ہے اور آیت کے مفہوم اور روح کو اس کے مطابق اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس ذیل میں صرف تین مثالیں الگ الگ مفہوم کی ملاحظہ ہوں۔

---

[۱] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل البقرہ ۱/۲۲۴، [۲] رد المحتار علی در مختار ۲/۳۶۴، فتح القدیر ۳/۲۰۴

[۳] المدونة الکبری ۳/۲۳۱، [۴] معالم التنزیل ۱/۱۱۱، امام شافعی کی رائے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مستفاد ہے وہ متاع کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں "اعلاھا خادم واد نھا ثلثة اثواب درع وخمار وازار ودون ذالک وقایة او شئی من الورق [۵] بدایة المجتہد ۲/۸۹

(۱) سورہ توبہ کی آیت "التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون" کا ترجمہ شاہ صاحب کرتے ہیں "ایشاں توبہ کنندگان اند عبادت کنندگاں، حمد گویندگانند سفر در راہ خدا کنندگانند" اسی مفہوم کی ایک آیت سورہ تحریم میں آئی ہے "عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمٰت مؤمنٰت قنتٰت تٓئبٰت عبدٰت سٓئحٰت ثیبٰت وابکارا۔ (تحریم ۵)

یہاں سائحت کا ترجمہ "روزہ دارندگان" کیا ہے وہ مومن مردوں کا ذکر تھا اسی لیے "راہ خدا میں سفر کرنے والے" کا ترجمہ زیادہ مناسب تھا، اور یہاں مومن عورتوں کا تذکرہ ہے جن کے لیے سفر کرنے کی کوئی معنویت نہیں ہو سکتی اسی لیے شاہ صاحب نے روزہ دار کا ترجمہ کیا ہے جب کہ دوسرے مفسرین نے دونوں جگہ روزہ دار ہی ترجمہ کیا ہے۔ دوسری مثال سورہ مائدہ کی آیت یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلة (المائدہ ۳۵) ہے۔ یہاں شاہ صاحب نے وسیلہ کا ترجمہ "تقرب" کیا ہے اور دوسرے فارسی و اردو کے مفسرین نے وسیلہ ہی کیا ہے، وسیلہ اور تقرب میں جو لطیف فرق ہے اس کو سامنے رکھا جائے تو شاہ صاحب کا ترجمہ بہت قیمتی معلوم ہوتا ہے، اردو میں لفظ وسیلہ میں واسطہ کا مفہوم شامل ہے جب کہ تقرب میں براہ راست کا مفہوم پایا جاتا ہے عربی میں بلاشبہ وسیلہ تقرب کے معنی میں مستعمل ہے۔ مگر فارسی و اردو میں ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے اہل بدعت نے "وسیلہ" کے لفظ کو اپنے گمراہ کن عقائد کے لیے وجہ جواز بنالیا ہے تقرب کے مفہوم کو سورۃ الاسریٰ کی یہ آیت تقویت پہنچاتی ہے "اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة (الاسریٰ ۵۷) یعنی مشرکین جن بندگان خدا کی پرستش کرتے ہیں وہ تو خود خدا کو پکارتے اور اس کا تقرب چاہتے ہیں۔

تیسری مثال سورہ البقرہ کی حسب ذیل آیت ہے "بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علی من یشاء من عبادہ۔ (البقرہ ۹۰) کیسا برا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف "حسد" کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا۔

"بد چیز است کہ آنچہ فروختند بعوض وے خویشتن را کہ کافر شوند بانچہ فرو آوردہ است خدا بسبب حسد برانکہ فرود آورد خدا برحمت خود بر ہر کہ خواہد از بندگان خود"

یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں لفظ "بغیا" کا ترجمہ اکثر مفسرین نے ضد کیا ہے مگر شاہ صاحب نے ضد کے بجائے حسد کیا ہے، اگرچہ شاہ صاحب اس ترجمہ میں منفرد نہیں ہیں تاہم حسد سے بغیا کا مفہوم متعین کر کے شاہ صاحب نے موقع کلام کی نزاکت کو ابھار دیا ہے چونکہ اس جگہ اللہ

دعوت محمدی کے سلسلہ میں یہودیوں کے افسوسناک رویوں پر تبصرہ کر رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ حق کو پہچان لینے کے بعد ان کا رویہ کس قدر انکار اور استکبار پر مبنی ہے، اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ ان کو نبی اسماعیل سے عداوت ہے اور اس میں نبی مبعوث کے جانے پر ان کو حسد ہے اور اس حسد کے نتیجہ میں ضد ہٹ دھرمی ڈھٹائی، استکبار اور دوسری مجرمانہ حرکتوں کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے یہ امر مسلم ہے کہ جو شخص حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے ضد اس کے اندر لازمی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر ضد کی وجہ حسد ہی ہو، اس لیے حسد کی وجہ سے جو قباحتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں ضد، عناد، ہٹ دھرمی اور ایسی تمام چیزیں شامل ہیں۔

ترجمہ میں تنوع

شاہ صاحب نے ترجمہ کرتے وقت اس بات کی بھی رعایت کی ہے کہ اگر کوئی آیت اپنے اندر ایک سے زیادہ معانی کی گنجائش رکھتی ہے اور ان معانی کے درجے برابر ہیں تو انھوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ترجمہ میں ایک کو ذکر کیا ہے اور حاشیہ پر دوسرے کا اظہار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے ان کو کسی ایک مفہوم پر شرح صدر نہیں ہے بلکہ وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں ترجمے اپنی جگہ درست اور مناسب ہیں اور دونوں کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً وماکان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ لکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (الرعد ۳۹) کا ترجمہ کرتے ہیں "نشاید ہیچ پیغامبر را کہ بیارد نشانہ مگر بحکم خدا ہر قضائے موقت را نامہ ہست نابود می سازد ہر چہ می خواہد و ثابت کند ہر چہ خواہد و نزدیک اوست ام الکتاب یعنی لوح محفوظ" کسی پیغامبر کو زیبا نہیں کہ وہ نشانی لائے بجز اللہ کے حکم سے ہر قضائے موقت کے لیے نوشتہ ہے خدا جس کو چاہتا ہے نابود کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے اور اسی کے نزدیک ام الکتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔ حاشیہ پر دوسرے ترجمہ کی صراحت یوں کرتے ہیں "وشاید کہ معنی چنیں باشد کہ ہر زمانہ را شریعت است نسخ میکند خدائے تعالیٰ آنچہ می خواہد و ثابت می گذارد آنچہ می خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ" (ہو سکتا ہے کہ یہ معنی ہو کہ ہر زمانے کے لیے شریعت ہے منسوخ کرتا ہے خدائے تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اسی کے نزدیک لوح محفوظ ہے۔)

اسی طرح الحاقۃ ما الحاقۃ وما ادرٰک ما الحاقۃ کا ترجمہ کرتے ہیں "قیامت چیست آں قیامت و چہ چیز خبردار کرد ترا کہ چیست آں قیامت" (قیامت کیا ہے وہ قیامت اور کس چیز نے تم کو خبردار کیا کہ کیا ہے وہ قیامت) اور دوسرے ترجمہ کی نشاندہی حاشیہ پر اس طرح کرتے ہیں۔ "عقوبت ثابت

کیا ہے وہ عقوبت ثابت اور کس چیز نے تم کو مطلع کیا کہ کیا ہے وہ عقوبت ثابت" فما یکذبک بعد بالدین (التین ۷) کا ترجمہ کرتے ہیں "پس اے آدمی چہ چیز حمل میکند ترا بعد ایں ہمہ پند بر دروغ شمردن در باب جزائے اعمال" پس اے آدمی ان تمام نصیحتوں کے بعد جزائے اعمال کے باب میں کونسی چیز تم کو جھوٹ سمجھنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور حاشیہ پر دوسرے ترجمہ کا ذکر یوں کرتے ہیں "پس چہ چیز باعث تکذیب تو می شود یا محمد در مقدمہ جزائے اعمال بعد ایں ہمہ پند" پس اے محمدؐ کون سی چیز تمام نصیحتوں کے بعد جزائے اعمال کے مقدمہ میں آپ کی تکذیب کا باعث بنتی ہے۔ مذکورہ دونوں ترجموں میں جو نزاکت ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

اب سورۃ غافر کی ایک آیت ملاحظہ کیجیے، ارشاد ہے

ان الذین کفروا ینادون لمقت اللہ اکبر من مقتکم انفسکم اذ تدعون الی الایمان فتکفرون (المومن ۱۰)

اس کا ترجمہ شاہ صاحب نے بایں طور کیا ہے۔

"ہر آئینہ آنانکہ کافر شدند آواز دادہ شود ایشاں را کہ بتحقیق دشمن داشتن خدا شمارا وقتیکہ خواندہ می شدید در دنیا بسوئے ایمان پس کافر می ماندید زیادہ تر است از دشمن داشتن شما خود را"

بے شک جو لوگ کافر ہوئے ان کو آواز دی جائے گی کہ بتحقیق خدا کو تمہارا دشمن رکھنا جس وقت کہ تم دنیا میں ایمان کی طرف بلائے گئے پھر بھی کافر رہے زیادہ برا ہے تمہاری اپنی ذات سے دشمنی کے مقابلہ میں۔

اس ترجمہ کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ کفار جہنم میں اپنے اوپر جو بد دعا کریں گے وہ اپنے آپ سے دشمنی ہے۔ دوسرے ترجمہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں "بتحقیق دشمن داشتن خدا شمارا سخت تر است از دشمن داشتن شما خود را وقتیکہ خواندہ می شدہ بسوئے ایمان پس کافر ماندید" اس ترجمہ کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ایمان قبول نہ کرنا گویا اپنے آپ سے دشمنی کرنا ہے۔

ترجمہ کی ندرت

شاہ صاحب نے بعض مواقع پر عام مفسروں سے بالکل ممتاز ترجمہ کیا ہے اور اس ترجمہ کی وجہ سے آیت کو نیا معنی پہنا دیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ (البقرہ ۱۸۴) کا مفہوم عام طور پر مفسرین لیتے ہیں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ فدیہ دے کر روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور وہ اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ بعض لوگ یطیقونہ کا ترجمہ لا یطیقونہ

سے کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان دونوں سے مختلف ترجمہ کیا ہے کہ "واجب است بر آنانکہ می توانند داد فدیہ کہ عبارت از طعام یک درویش است" اس ترجمہ سے وہ ساری الجھنیں رفع ہوجاتی ہیں جن کی بنا پر آیت کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے یا یہاں محذوف مانا ہے[1] اسی طرح سورہ توبہ کی آیت "ومنھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یومن باللہ ویومن للمومنین ورحمۃ للذین امنوا منکم۔ (التوبہ ۶۱) کا ترجمہ کرتے ہیں" واز ایشاں آنند کہ آزار می دھند پیغامبر را و می گویند وی سبک گوش است بگو وی سبک گوش نیک است برائے شما باور می کند خدا و قبول می کند مشورت مسلمان را و رحمت است برائے اہل ایمان از شما" اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو پیغامبر کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو سبک گوش ہیں آپ کہئے وہ سبک گوش نیک ہے تمہارے لیے وہ خدا کی بات پر یقین کرتا ہے اور مسلمانوں کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ان کے لیے رحمت ہے۔

یہاں مفسرین نے "یومن للمومنین" کا مطلب یہ لیا ہے وہ مسلمانوں پر اعتماد کرتا ہے گویا اس میں مسلمانوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ شاہ صاحب کے اس ترجمہ نے آیت کو جو معنی پہنایا ہے وہ یہ ہے کہ منافقین کہتے تھے کہ یہ نبی تو سب کی باتیں سنتا ہے اس کا جواب دیا گیا کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ بے شک وہ سب کی باتیں سن لیتا ہے مگر جہاں تک قبول کرنے اور ان کے مطابق عمل قدم اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ صرف مومنوں ہی کے مشورے قبول کرتا ہے، گویا اس آیت میں شاہ صاحب نے "وشاورھم فی الامر" کے مفہوم کو سمیٹ لیا ہے۔

فتح الرحمان میں سلاست روانی، حسن ادا، جملوں کی خوبصورتی اور عبارت کی دلکشی بھی بہت ہے اور اسی وجہ سے وہ عام تراجم سے ممتاز ہے تلاوت کے وقت قرآن کے الفاظ، نظم آیات نزاکت تعبیر اور حسن ابلاغ سے قاری جو لطف اٹھاتا ہے شاہ صاحب نے کوشش کی ہے کہ اسی طرح کی لذت ترجمہ کے اندر بھی پیدا ہوجائے اور قرآن کے ساتھ ترجمہ قرآن بھی قاری کے ذہن و دل میں گھر کرے مثال کے طور پر سورہ الم نشرح کی ابتدائی آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک

"ایا کشادہ نہ کردیم برائے تو سینہ ترا، و دور نکردیم از تو بار ترا، آں بار کہ گراں کردہ بود پشت ترا، و بلند ساختیم برائے

---

[1] اس ترجمہ کا ذکر شاہ صاحب نے حاشیہ پر کیا ہے اور یہی ان کے نزدیک قابل ترجیح ہے چنانچہ الفوز الکبیر میں قدرے تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ دیکھیے الفوز الکبیر ص ۲۸

تو ثنائے ترا۔ اس ترجمہ میں سلاست اور فقروں کی چستی کے ساتھ ایک طرح کی غنائیت پائی جاتی ہے جو قرآنی آیات ہی سے مستعار ہے۔

بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترجمہ کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے مثلاً موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کی آیت دیکھیے۔

فانطلقا حتی اذا لقیا غلاما فقتلہ قال اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت شیئا نکرا۔ (الکہف ۷۴)، پس راہ رفتند تا وقتیکہ برخوردند با نوجوانے خضر بکشت اورا گفت موسیٰ آیا کشتی نفسی پاک را بغیر قصاص نفسے ہر آئینہ آوردی شئی ناپسندیدہ۔

غلاما کا ترجمہ نوجوان مناسب حال نہیں ہے، نوجوانوں کے لیے اسی سورہ میں فتیۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے[1] نوجوان اس لڑکے کو کہتے ہیں جس نے حد بلوغت پار کرلیا ہو اسی لیے وہ شرعی احکام کا مکلف ہوجاتا ہے جب کہ غلام اس لڑکے کو کہتے ہیں جو سن بلوغ کو پہونچا نہ ہو اور وہ شرعی احکام کا مکلف نہیں ہوتا۔ اسی لیے آیت میں غلام کی صفت "نفسا زکیۃ" معصوم ذات بیان کی گئی ہے اور اسی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اشارہ کیا ہے۔

---

[1] انھم فتیۃ امنوا بربھم (الکہف: ۱۳)

چھٹا باب

حواشی فتح الرحمان کا تنقیدی مطالعہ

فتح الرحمان پر شاہ صاحب کا خود نوشت تفسیری حاشیہ بھی ہے یہ حاشیہ الگ بھی شائع ہوا ہے اور قرآن کے ساتھ بھی، اس حاشیہ میں ایک دشواری یہ پیش آگئی ہے کہ فتح الرحمان کے مطبوعہ نسخوں پر جو حاشیہ ہے اس کی زبان بالعموم فارسی اور خال خال عربی ہے، جب کہ الگ سے جو حاشیہ ملتا ہے اس کی عمومی زبان عربی ہے اور کہیں کہیں فارسی ہے اختلاف زبان کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ شاہ صاحب نے حاشیہ فارسی میں لکھا ہے یا عربی میں؟ ڈاکٹر سالم قدوائی نے اسے عربی زبان کے ضمن میں رکھا ہے[۱]

خدابخش لائبریری پٹنہ میں فتح الرحمان کا ایک قلمی نسخہ ہے،[۲] یہ نسخہ شاہ ولی اللہ کے عزیز محمد عاشق پھلتی کے حکم سے صفی اللہ بن شیخ فقیر اللہ نے رقم کیا ہے اس نسخہ کی کتابت ۱۱۸۶ھ میں ہوئی ہے یعنی شاہ صاحب کی وفات کے صرف بارہ سال بعد ہوئی ہے، اس لحاظ سے یہ نسخہ فتح الرحمان کے اولین نسخوں میں ہے اور چونکہ خود شاہ صاحب کے مسودہ سے محمد عاشق پھلتی کے زیر اہتمام نقل کیا گیا ہے اس لیے زیادہ معتبر بھی ہے۔ کاتب شیخ صفی اللہ نے وضاحت کی ہے کہ

"در ہامش مسودہ ایں ترجمہ حواشی بہ چند نوشتہ بود بعض مبین بوجہی کہ ترجمہ مبنی بر ان است و بعض شاہد بوجہی از وجوہ تفسیر کہ در ترجمہ اختیار کردہ شد۔ و بعض تنبیہ بر تفردات و ترجیحات بعضے ان حواشی بزبان عربی بود و بعض بزبان فارسی" چوں ایں ترجمہ مبیض گشت بخاطر مستحسن نمود کہ آں حواشی را در ذیل ایں نسخہ بہماں عبارت کہ داشت نوشتہ شد تا ناظر در ترجمہ آں فوائد را نیز دریابد"[۳]

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ کا کچھ حصہ عربی زبان میں تھا اور کچھ حصہ فارسی میں اور یہ کہ کاتب نے من و عن عبارت نقل کی ہے اپنی طرف سے کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا ہے صرف انداز کتابت اس طرح بدل دیا ہے کہ حاشیہ کو ترجمہ کے ساتھ حوض کے کنارے لکھنے کے بجائے ترجمہ قرآن کے بعد یکجا نقل کر دیا ہے اس سے

---

[۱] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص ۱۹۵، [۲] فتح الرحمان (قلمی)، اندراج ۱۱۴
[۳] فتح الرحمان (قلمی)، ورق ۳۴۹

یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی میں جو نسخے تیار ہوئے تھے ان پر حواشی کچھ فارسی میں اور کچھ عربی میں تھے اور انہی نسخوں کے مطابق چھاپہ خانوں نے فتح الرحمان کی طباعت کا اہتمام کیا مگر ہر مصنف کی طرح شاہ صاحب نے بھی تفسیری حاشیہ پر نظر ثانی کی اور اس وقت انھوں نے بیشتر جگہ عربی زبان استعمال کی۔ شاہ صاحب کے نظر ثانی کردہ نسخہ سے محمد عاشق پھلتی نے کاتب صفی اللہ سے مذکورہ نسخہ رقم کرایا جس کے نتیجہ میں اختلاف زبان سامنے آیا چنانچہ قاری جب ان دونوں نسخوں کو ملا کر پڑھتا ہے تو بعض مقامات پر ایک ہی حاشیہ ایک نسخہ میں فارسی میں ملتا ہے اور دوسری جگہ عربی میں، مثال کے طور پر یسئلونک عن الاھلۃ۔ پر کاتب صفی اللہ کے رقم کردہ نسخہ میں حاشیہ یوں ہے معناہ عندی یسئلونک عن ھذا الشھر والمراد الشھر واطلق الھلال علی الشھر لانہ اولہ و آخرہ اور مطبوعہ نسخہ ۱۳۰۳ھ پر حاشیہ یہ ہے "مترجم گوید ظاہر نزدیک ایں بندہ آنست کہ سوال کردند از شہر حج کہ شوال و ذی قعدہ و نہ روز از ذی الحجۃ باشد کہ ایام حج موقت است بانہایانہ"

حواشی کا امتیاز

حاشیہ میں شاہ صاحب نے آیات کی ضروری تشریح اور مشکل مقامات کی توضیح کی ہے بعض مقامات پر انتہائی اختصار سے کام لیا ہے، ایک یا دو لفظوں میں مدعا بیان کیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ یہ حاشیہ مولف کی قرآن فہمی کا بڑا ثبوت فراہم کرتا ہے اور ان کے تفسیری رجحان کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں مروجہ تفسیری اقوال سے اختصار کے ساتھ تعرض کیا ہے اور حسب موقع اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ شان نزول، ربط آیات، ناسخ و منسوخ، فقہی احکام اور تمثیلات و محاکات پر گفتگو کی ہے۔ گویا قرآن پڑھتے وقت ایک طالب قرآن کو جن ضروری چیزوں سے واقف ہونا چاہیے شاہ صاحب نے کم و بیش ان کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس لیے کہنا چاہیے کہ یہ حاشیہ مطالعہ قرآن کا رہنما اصول ہے۔

اس حاشیہ کا سب سے بڑا امتیاز اختصار اور جامعیت ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن کے مطالب کو سمجھانے کے لیے حاشیہ پر چند الفاظ لکھ کر مفہوم کو کھول دیا ہے، مثلاً قرآن کی یہ آیت "یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین (التوبہ ۷۳)" کا ترجمہ کیا ہے "جہاد کن با کافران و جہاد کن با منافقان" حاشیہ پر شاہ صاحب نے صرف دو الفاظ کا اضافہ کیا ہے یعنی "بسیف" اور "بزبان" مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تلوار سے جنگ کرو اور منافقوں سے زبان سے مگر ان دو الفاظ میں مدعا، کلام کو پوری طرح نکھار دیا ہے اور جہاد کا مطلب اور اس کی نوعیت کو واضح کر دیا ہے۔ التوبۃ کی دوسری آیت "وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم

لعلهم يحذرون (التوبة ۱۲۲) کا یوں ترجمہ کیا ہے۔

ممکن نیست مومناں را کہ برآیند ہمہ یک جا پس چرا بیروں نیامدند از ہر جمعے از ایشاں چند کس تا دانشمند شوند در دین و تا بیم کنند قوم خود را چوں باز آیند بسوئے ایشاں بود کہ ایشاں تبرسند حاشیہ پر صرف اتنا لکھا ہے کہ

"یعنی طلب علم دین فرض کفایة است"

اس جملے نے آیت کے پورے مفہوم کو سمیٹ لیا ہے اس آیت کی توجیہ کرنے میں مفسرین کے دو گروہ ہیں ایک نے نکلنے کا مطلب برائے جہاد لیا ہے [1] اور دوسرے نے برائے علم [2] شاہ صاحب نے گویا دوسرے نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ اسی طرح سورہ ہود کی آیت افمن کان علی بینة من ربه ويتلوه شاهد منه (هود ۱۷) کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے

ایا کسیکہ باشد بر حجتے از جانب پروردگار خود و متصل می آید گواہی از جانب پروردگار"

اور حاشیے پر دو لفظوں کا اضافہ کیا ہے (۱) دلیل عقلی (۲) قرآن، یعنی بینہ سے مراد عقلی دلیل ہے اور شاہد سے مراد قرآن ہے اس وضاحت نے آیت کے مفہوم کو بہت بلند کر دیا ہے، گویا مومن وہ ہے جس کے پاس دلیل عقلی بھی ہے اور قرآن کی روشنی بھی جب کہ کافران دونوں سے محروم ہے، سورہ الزلزال کی آیت یومئذ یصدر الناس اشتاتا کا ترجمہ کیا ہے۔ "آں روز کہ باز گردند مردماں بر احوال مختلف" اور حاشیہ پر صرف دو الفاظ کا اضافہ کیا ہے یعنی "از جائے حساب" ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيى عن بينة (انفال ۴۲) کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ مراد از حلاک اصرار بر کفر است واز حیات مسلمان شدن"

فقہی مسائل کا استنباط

ان حواشی میں شاہ صاحب نے حسب ضرورت فقہی احکام و مسائل پر بھی گفتگو کی ہے اور آیات سے مستنبط ہونے والے مسئلہ کی نوعیت واضح کی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے فقہ حنفی کے علاوہ دیگر فقہی مکاتیب کا بھی خیال رکھا ہے اور آیات کی توضیح و تفسیر میں ان کی حیثیت نمایاں کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کسی ایک فقہ پر انحصار کرنے کے بجائے فقہ اربعہ کو اس لیے سامنے لاتے ہیں کہ جو رائے موقع کے لحاظ سے مناسب ہو اس کو ترجیح دی جائے یا آیت سے جو رائے بعید معلوم ہوتی ہو اس کی

---

[1] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، التوبہ آیت ۱۲۲، تفسیر ابن کثیر جلد دوم التوبہ آیت ۱۲۲ روح المعانی التوبہ آیت ۱۲۲، مدارک التنزیل علی ھاشیة الاکلیل، التوبہ آیت ۱۲۲، فتح القدیر التوبہ آیت ۳۹۷

حقیقت پر روشنی ڈالی جائے اور اس طرح مطالعہ قرآن کے ضمن میں ایک شخص فقہی بصیرت بھی حاصل کرتا چلا جائے مثال کے طور پر ان آیات کو لیجیے "فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان الله غفور رحیم (مائدہ ۳) جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں کوئی چیز کھائے بغیر میلان گناہ کے تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اس ذیل میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مخمصہ میں مردار کھانا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لفظ "متجانف لاثم" کا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے، امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس کا فائدہ یہ ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کھانے کی رخصت چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے نہیں ہے [1] شاہ صاحب نے ان دونوں رایوں میں کسی کو ترجیح نہیں دی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں رائے اپنی جگہ درست ہیں۔

متعہ کی حرمت

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتو الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات والمحصنت من الذین اوتو الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان (مائدہ ۵) آج تمہارے لیے ساری چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں، اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائی کرو، اس ذیل میں لکھتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہ کے نزدیک محصنات اس جگہ پاک دامن و پارسا کے معنی میں ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کے معنی میں۔ اور "غیر مسافحین" سے معلوم ہوا کہ نکاح متعہ درست نہیں ہے اور "ولا متخذی اخدان" سے معلوم ہوا کہ خفیہ نکاح درست نہیں ہے [2] علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک بلا شبہ نکاح متعہ درست نہیں ہے مگر اس کی بنیاد وہ اس حدیث کو قرار دیتے ہیں جو حضرت علی اور سبرۃ الجھنیؓ وغیرہ سے مروی ہے [3] شاہ صاحب نے مذکورہ آیت سے استدلال کر کے متعہ کی حرمت پر نص قطعی کا ہونا ثابت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے متعہ کی حرمت کو ایک دوسری آیت سے ثابت کیا ہے

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان، [2] ایضاً

[3] مسلم، باب نکاح المتعة وبیان انه ابیح ثم نسخ، موطا امام مالک، باب لا یحل نکاح المتعة

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے عورتوں سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا "میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے" اور یہ آیت تلاوت فرمائی والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ——— المعارج ۳۰:۲۹

جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا باندیوں کے وہ لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ نے مزید فرمایا جس نے اللہ کی عطا کردہ بیوی یا باندی کے علاوہ چاہا اس نے حد سے تجاوز کی۔[1]

علامہ ابن قیم نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا متعہ کی حرمت دو مرتبہ ہوئی ہے؟ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ پہلے حلال تھا فتح خیبر کے دن حرام قرار دیا گیا پھر اس کی اجازت دیدی گئی پھر آخری مرتبہ فتح مکہ کے دن حرام قرار دیا گیا، علامہ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ خیبر کے دن متعہ کو حرام نہیں کیا گیا بلکہ اسے فتح کے دن حرام کیا گیا، یعنی متعہ کی حرمت دو مرتبہ نہیں بلکہ ایک ہی مرتبہ ہوئی ہے۔ وہ بخاری و مسلم کی روایات کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ "صحیحین میں حضرت علی سے جو روایت آئی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ نیز بخاری میں حضرت علی سے یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ سے منع فرمایا اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا! ان دونوں روایات میں حضرت علیؓ نے متعہ کی حرمت اور گھریلو گدھے کے گوشت کی حرمت کو ملا کر بیان کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ خیبر کے دن صرف گھریلو گدھے کے گوشت کی تحریم ہوئی تھی اور متعہ کی حرمت مطلق تھی یہ کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں تھی کیونکہ مسند احمد میں صرف گھریلو گدھے کے گوشت کی تحریم کے وقت کی تعیین ہے نہ کہ متعہ کی پھر خیبر کے دن صحابہ کے درمیان متعہ کا کوئی مسئلہ نہیں درپیش تھا کیونکہ نہ تو وہ یہودی عورتوں سے متعہ کر رہے تھے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کر رہے تھے اور نہ ہی کسی نے اس موقع پر متعہ کا تذکرہ کیا ہے: فعلاً اور نہ تحریراً بخلاف فتح مکہ کے کہ اس میں عملاً اور تحریراً دونوں لحاظ سے متعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہی بات زیادہ صحیح ہے[3]

---

[1] المستدرک للحاکم ۲:۳۹۳، قال علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وصیت پر شہادت اور زانیہ کا نکاح

سورہ المائدہ کی حسب ذیل آیات ملاحظہ کریں۔

یایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم او اخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت تحبسونھما من بعد الصلوۃ فیقسمن باللہ ان ارتبتم لا نشتری بہ ثمنا ولو کان ذا قربی ولا نکتم شھادۃ اللہ انا اذا لمن الاثمین ہ فان عثر علی انھما استحقا اثما فاخران یقومان مقامھما من الذین استحق علیھم الاولین فیقسمن باللہ لشھادتنا احق من شھادتھما وما اعتدینا انا اذا لمن الظلمین (المائدہ ۱۰۶-۱۰۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آئے تو غیر لوگوں ہی میں سے دو گواہ لے جائیں۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لیا جائے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی ذاتی فائدہ کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو گنہگاروں میں شمار ہوں گے لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ دو اور شخص جو ان کی نسبت شہادت دینے کے لیے اہل تر ہوں ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہو اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے۔

اس ضمن میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آیت کی تاویل شافعی مذہب کے لحاظ سے یہ ہے کہ شہادت سے مراد وصیت ہے اور "منکم" سے مراد "من اقاربکم" ہے[1] "اثنین" دو گواہوں کا ذکر برائے احتیاط ہے اور قسم دلانا بوجہ مدعا علیہ ہونا ہے اس دعویٰ میں کہ انھوں نے خیانت کی ہے جلوۃ العصر کی تعیین بجہت تغلیظ قسم ہے اور دو گواہوں کا انتخاب برائے احتیاط ہے اور پہلے دو کا ذکر کرنا ان دونوں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۴) [2] بخاری کتاب النکاح، کتاب المغازی

[3] زاد المعاد ج ۴ ص ۴۲۵-۳۴۳، مکتبۃ المنار، بیروت ۱۹۸۵ء

[1] عام مفسرین نے منکم سے مراد من اقاربکم کے بجائے من المسلمین لیا ہے اور من غیرکم سے مراد من غیر المسلمین لیا ہے دیکھیے تفسیر ابن کثیر، المائدہ ۱۰۶۔

کا اس دعویٰ میں مدعا علیہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے عذر کو ثابت کرتے ہیں چنانچہ مذکورہ صورت میں شہادت کا بیچنا اور ان ارتبتم او دفان عثر اس دعویٰ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت کی تاویل مذہب امام ابوحنیفہ کے مطابق بھی یہی ہے لیکن یہاں صلوۃ عصر کی تعیین اس لحاظ سے ہے قضاۃ اپنے محکمہ میں اس وقت بیٹھتے ہیں تو گویا کہ یہ سب کچھ محکمۂ قضا میں کیا جائے گا"[1] خدابخش لائبریری کے قلمی نسخہ میں یہ عبارت لکھی ہے "هل تقبل شهادة اهل الذمة على المسلمين فى الوصية فى السفر خاصة اذا لم يوجد غيرهم ام لا، قال ابوحنيفة ومالك والشافعى لا تقبل وقال احمد تقبل"[2] حالت سفر کی وصیت میں مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جبکہ ان کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو قبول کی جائے گی یا نہیں، ائمہ ثلثہ کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی اور امام احمد کے نزدیک قبول کی جائے گی۔

الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانية لا ينكحها الا زان او مشرك وحرم ذالك على المؤمنين (النور ۳) "زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر"۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ زانیہ جس کو زنا پر اصرار رہا ہو اس کا نکاح نہ کیا جائے گا۔ اور یہی امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ آیت کی تاویل امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مطابق یہ ہے کہ شرک اور زنا مسلمانوں پر حرام کر دئے گئے ہیں، یا کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص ہے ایک قول کے مطابق یا منسوخ ہے"[3] یہاں شاہ صاحب نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی رائے ان کی نظر میں زیادہ پسندیدہ ہے اسی لیے انھوں نے "ہمیں است" سے اس کی طرف اشارہ کردہ ہے۔

ذاتی رجحان کا اظہار

بعض مواقع پر شاہ صاحب نے فقہ اربعہ سے قطع نظر اپنے ذاتی رجحان کا اظہار کیا ہے اور اسی کے مطابق آیت کی تشریح کی ہے۔ وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن الخ (النور ۳۱) "اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر شوہر وغیرہ کے سامنے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] فتح الرحمان (قلمی) [3] حاشیہ فتح الرحمان

میں کہ "ستر کے مقامات دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جس کے چھپانے میں حرج ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے دوسرے وہ جس کے چھپانے میں حرج نہیں ہے مثلاً سر، گردن، بازو، بانہہ اور پنڈلی۔ چنانچہ چہرہ اور ہتھیلی کا دوسروں کے سامنے چھپانا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور ان کے علاوہ دیگر مذکورہ چیزوں کا چھپانا اجنبیوں کے سامنے فرض ہے لیکن محرموں کے سامنے فرض نہیں ہے"[1] چہرے کے پردے کے سلسلے میں علماء کے درمیان کوئی ایک رائے نہیں ہے بعض چہرہ کا پردہ لازم سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور دونوں اقوال کے لیے احادیث اور قرآن میں دلائل اور اشارات موجود ہیں شاہ صاحب نے فرض اور سنت کی تقسیم کر کے صورت مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے واضح کر دیا ہے۔ والذين عقدت ايمانكم فآتوهم نصيبهم کی تفسیر کرتے ہیں "اصح التوجيهات عندى ان المراد البر والصلة دون التوارث لان الله تعالى قدم المال الورثة"[2] میرے نزدیک صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد نیکی اور صلہ رحمی ہے نہ کہ وراثت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو وراثت پر مقدم رکھا ہے۔

صلوۃ قصر کی تحقیق

واذا ضربتم فى الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا ان الكفرين كانوا لكم عدوا مبينا (النساء ۱۰۱) کی تفسیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں "مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مسافر کی صلوۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خوف کی قید اتفاقی ہے۔ لیکن اس بندہ کے نزدیک قوی یہ ہے کہ یہ آیت صلوۃ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سفر کی قید اتفاقی ہے اور مراد قصر سے رکعات کی تعداد کے بجائے رکوع و سجود کی کیفیت میں قصر ہے جو کہ اشارہ سے ادا کی جائے گی"[3] یہی رائے شاہ صاحب نے موطا امام مالک میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت کے ضمن میں دی ہے، حضرت ابن عمرؓ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ قرآن میں صلوۃ خوف اور صلوۃ حضر کا ذکر تو ہم پاتے ہیں لیکن صلوۃ سفر کا ذکر نہیں پاتے تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا جب کہ ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس لیے ہم وہی کرتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے"[4] شاہ صاحب اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں "عبد اللہ ابن عمرؓ کا قول اس بارے میں صریح ہے کہ

[1] فتح الرحمان حاشیہ [2] فتح الرحمان (قلمی)
[3] حاشیہ فتح الرحمان [4] موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ باب قصر الصلوۃ فی السفر

آیت صلوٰۃ خوف کے بارے میں ہے صلوٰۃ سفر کے بارے میں نہیں اور اس صورت میں قصر کے معنی ارکو ع وجود کا اشارہ سے انجام دینا ہے اور سفر کی قید اتفاقی ہے، اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آیت واذا کنت فیھم کی بنا آیت قصر پر بعد ذکر خوف کے کی گئی ہے۔" [1]

شاہ صاحب کی اس تحقیق سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ حالت سفر میں نماز میں قصر کرنے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ تو معتبر احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے مسوی میں جو مصفی کے حاشیہ پر ہے لکھا ہے کہ "اتفقت الامة علی جواز القصر فی السفر" [2] سفر میں نماز قصر کرنے کے جواز پر امت کا اتفاق ہے۔ اسی باب کی دوسری روایت جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے یعنی "فرضت الصلوة رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوة السفر وزید فی صلوة الحضر" [3] نماز سفر و حضر دونوں میں دو دو رکعات فرض کی گئی تھیں سفر میں تو دو رکعات باقی رہیں البتہ حضر میں دو کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس ذیل میں شاہ صاحب کہتے ہیں "حضرت عمر حضرت علی، عبداللہ ابن عمر اور تابعین کے ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ سفر کی حالت میں قصر واجب ہے امام مالک کی بھی یہی رائے ہے، مگر مترجم کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ مثلاً ظہر کی چار رکعت پڑھنا سفر میں جائز نہیں بلکہ امکان ہے کہ دو ہی رکعت سفر میں مقرر ہو بغیر قصر کے اور معہذا چار رکعات بھی ادائے فرض ہو چنانچہ مسافر جب مقیم کی اقتدا کرتا ہے تو اس کی نماز چار رکعات ہی ہوتی ہے اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر "فاقصروا من الصلوٰۃ" کی آیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ابتدا میں دو رکعت ہی ادا کرتے تھے وہی سفر میں باقی رہ گیا ہے اور حضر میں منسوخ ہو گیا [4]

حجۃ اللہ البالغہ میں حالت سفر میں قصر کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"فلا یقاس مقیم به علی المسافر فی رخص الصلوة والصوم فان دفع الحرج مصلحة الترخیص لاعلة القصر والافطار وانما العلة هی السفر" [5]

صلوٰۃ و صیام کی رخصت کے معاملہ میں مقیم کو مسافر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ دفع حرج رخصت کی مصلحت ہے قصر و افطار کی علت نہیں بلکہ علت تو سفر ہے۔

---

[1] مصفی ۱/۱۴۶ [2] مسوی ۱۴۰ [3] موطا باب قصر الصلوة فی السفر [4] مصفی ۱/۱۴۶
[5] حجة الله البالغه، اول باب الفرق بین المصالح والشرائع

ازالۃ الخفا میں شاہ صاحب نے اس سے آگے بڑھ کے متوازن بات کہی ہے وہ کہتے ہیں کہ "کہا گیا ہے کہ آیت کا منطوق سفر اور خوف کے اجتماع کی حالت میں قصر کی اباحت ہے اور اجماع امت نے اس کے ساتھ بلاخوف سفر میں قصر کو شامل کیا ہے۔ اس مسئلہ میں راز یہ ہے کہ سفر اور خوف میں سے ہر ایک تخفیف صلوٰۃ کے مناسب ہے۔" [1]

عام مفسرین سے اختلاف

شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے تفسیری حاشیہ میں متعدد مواقع پر جمہور مفسرین سے اختلاف کیا ہے اور ان مواقع پر آیات کی دوسری توجیہ کی ہے، شاہ صاحب کی ان توجیہات سے آیات قرآنی میں ان کی مجتہدانہ بصیرت اور نکتہ سنجی ہی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ اس سے آیات کے مفہوم کی وسعت کا بھی پتہ چلتا ہے، نصوص پر از سر نو غور کرنا اور ان سے مسائل کا اپنے طور پر استنباط کرنا ہی ایک مجتہد کی شان ہوتی ہے، چنانچہ سورہ النساء کی حسب ذیل آیت ملاحظہ ہو۔

"وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله وتحریر رقبة مؤمنة" (النساء ۹۲) اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خوں بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جمہور مفسرین نے وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق" کی تصویر کافر مقتول کو سمجھا ہے، اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مومن اور کافر کے درمیان وراثت منقطع ہے اور بسبیل دیت بسبیل میراث ہے لیکن بندہ ضعیف کہتا ہے کہ مسئلہ کی تمہید ماکان لمومن ان یقتل مؤمنا الاخطأ ہے اور "وهو مؤمن" کی قید زیر بحث مسئلہ میں قابل اعتبار ہے اور دیت کا لزوم ایفائے عہد کے لحاظ سے ہے نہ کہ بر سبیل میراث، اور اس کی نظیر سورہ ممتحنہ میں قوم معاہد کی طرف سے آنے والی مومن عورت کا مہر ہے، [2] شاہ صاحب کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مومن نے

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۱۱۹ [2] حاشیہ فتح الرحمان، البلسلہ النساء ۹۲ شاہ صاحب نے یہاں جس آیت کو نظیر میں پیش کیا ہے وہ یہ ہے "یا ایها الذین امنوا اذا جاءکم المؤمنت مهجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنت فلا ترجعوهن الی الکفار لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن واتوهم ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحوهن اذا اتیتموهن اجورهن ولا تمسکوا بعصم الکوافر وسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا ذلکم حکم الله یحکم بینکم والله علیم حکیم (الممتحنہ ۱۰) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دوسرے مومن کو قتل کیا تو اس پر دیت اور ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے' وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق کا مطلب مقتول کافر نہیں بلکہ مقتول مومن ہے جس کے ولی اہل الذمۃ ہیں اور اس کی مثال سورہ ممتحنہ کی آیت ہے ۔ سورۃ البقرہ کی آیت واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف (البقرہ ۔ ۲۳۲) کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "المشھور عند المفسرین ان طلقتم خطاب للازواج ولا تعضلوھن خطاب للاولیاء واخذوا ذالک من حدیث معقل بن یسار وھو معروف فی المفسرین والعبد الضعیف مائل الی ان الخطاب للازواج فی الکلمتین ومعنی ازواجھن ازواجا غیر فیھم وھم ازواج من لھن فیما یؤل وانما فھم معقل بن یسار نھی الاولیاء عن العضل من طریق المفھوم لا من طریق المدلول فھذا الوجہ اقوم الوجوہ للنساء[1] مفسرین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ان طلقتم میں خطاب شوہروں سے ہے اور ولا تعضلوھن میں خطاب اولیاء سے ہے اور انھوں نے معقل بن یسار کی روایت سے یہ اخذ کیا ہے جو کہ مفسرین کے نزدیک معروف ہے اور اس بندہ ضعیف کا رجحان یہ ہے کہ دونوں جملوں میں خطاب شوہروں ہی سے ہے البتہ ازواجھن کے معنی وہ شوہر ہیں جن سے وہ مطلقہ عورتیں شادی کی خواہش رکھتی ہیں اور وہ ان کے شوہر ہیں مستقبل کے اعتبار سے حضرت معقل بن یسار نے یہ جو سمجھا کہ اولیا کو منع کیا گیا ہے (کہ ان مطلقہ عورتوں کو جن کی عدت پوری ہو چکی ہے دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو) یہ بطریق مفہوم ہے بطریق مدلول نہیں یہ توجیہ عورتوں کے حق میں زیادہ مضبوط ہے ۔

سورہ انبیاء کی آیت "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) اے مومنو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو جانچ پڑتال کر لو اور ان کے ایمان کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے' پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دئے تھے وہ انھیں واپس کر دو اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دئے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دئے تھے وہ واپس مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے ۔

[1] فتح الرحمان (قلمی)

(الانبیاء ۱۰۵) کا مطلب عام طور پر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ ارض جنت نیک کاروں کے لیے ہے مگر شاہ صاحب نے اس آیت میں ارض سے مراد ارض جنت نہیں بلکہ حقیقی زمین لیا ہے اور صالحون کا مصداق امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"در آخر زمان پیغامبرے مبعوث شود و امت او بر زمین غالب شود"[1]

آخری زمانہ میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور اس کی امت زمین پر غالب ہوگی ۔

اس مسئلہ پر شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تفصیل سے بحث کی ہے ۔[2]

سورہ المائدہ کی اس آیت "یایھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربھم ورضوانا" (المائدہ ۲) اے ایمان والو خدا پرستی کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کر لو نہ قربانی کے جانوروں پر ہاتھ ڈالو نہ ان جانوروں پر دست درازی کرو جن کی گردنوں میں نذر خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محرم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہوں ۔

اس کے ذیل میں لکھتے ہیں "حرم کے مہینوں میں قتال کی تحریم و تغلیظ کا حکم مسلمانوں کے لیے خاص ہے، اس کی دلیل سورہ بقرہ کی آیت ہے اور حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ کی تحریم مسلمانوں کے لیے خاص ہے اور اس کی دلیل سورہ برائت کی آیت ہے اور یہ آیات بالکل آخر میں نازل ہوئی ہیں اس لیے ان کو منسوخ سمجھنا کہ جیسا کہ عام مفسرین کہتے ہیں درست نہیں معلوم ہوتا[3] اسی طرح سورہ رعد کی حسب ذیل آیت کی تفسیر ملاحظہ کیجیے ۔

اولم یروا انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا (الرعد ۴۱) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم اس سرزمین پر چلے آ رہے ہیں اور اس کا دائرہ ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آتے ہیں ۔ شاہ صاحب کہتے ہیں "دن بدن اسلام کی شوکت عرب کی سرزمین پر پھیلتی جا رہی ہے اور دار الحرب ان اطراف سے گھٹتا جا رہا ہے' عام مفسرین اس آیت کو مدنی سمجھتے ہیں جب کہ مترجم کے نزدیک ضروری نہیں ہے کہ یہ مدنی ہو دار الحرب

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۶۸ تا ۲۴

[3] حاشیہ فتح الرحمان بسلسلہ آیت مذکورہ ۔ اگرچہ مجاہد اور شعبی وغیرھما جیسے مفسروں نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن بعض دیگر مفسرین اس کو بدستور محکم تسلیم کرتے ہیں ۔ اور شاہ صاحب نے اس گروہ کو ترجیح دی ہے ۔ ملاحظہ ہو الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل (المائدہ ۲)

کے نقصان سے مراد اسلم، غفار، جہینہ اور مزینہ کے قریبی قبائل کا اسلام لے آنا ہے اور یہ ہجرت سے پہلے واقع ہوا[1]

شاہ صاحب کی اس تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ سندھی رقم طراز ہیں "مورخین محمد رسول اللہ کے مدنی عہد سے اسلامی ریاست کی ابتدا مانتے ہیں، ان کے نزدیک مکہ میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی کوئی باقاعدہ سیاسی حیثیت نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ الرعد کی باقی تمام آیات کو تو مکی مانتے ہیں لیکن اس آیت کو مکی کے بجائے مدنی کہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے تشریحی فوائد کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ ہی میں مسلمانوں کی حکومت تشکیل پا چکی تھی، لیکن یہ حکومت عدم تشدد کی پابند تھی اور ابھی اسے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہیں ملی تھی چنانچہ اسلامی ریاست کا یہ پہلا دور تھا، ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست نئے سرے سے ظہور پذیر نہیں ہوئی بلکہ وہ اسی مکی ریاست کا اگلا قدم تھا[2]"

سورہ ممتحنہ کی حسب ذیل آیت ملاحظہ ہو۔

"وان فاتکم شیٔ من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون (الممتحنہ ۱۱) اور اگر کافر بیویوں کے مہروں میں سے کچھ تمہیں کفار سے واپس نہ ملے اور پھر تمہاری نوبت آئے تو جن لوگوں کی بیویاں ادھر رہ گئی ہیں ان کو اتنی رقم ادا کر دو جو ان کے دئے ہوئے مہروں کے برابر ہو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اس کے تحت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کفار معاہد ہوں اور کوئی عورت مرتد ہو کر ان سے جا ملے تو ان سے مہر طلب کرنا چاہیے، چنانچہ گذشتہ آیت میں معلوم ہوا، اور اگر کفار حربی ہوں تو ان کے مال غنیمت

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان   [2] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۵۵

مذکورہ آیت جس کو مفسرین مدنی قرار دیتے ہیں سورہ الرعد کے علاوہ سورہ الانبیاء (۴۴) میں بھی آئی ہے اور یہ دونوں سورتیں مفسرین کے نزدیک مکی ہیں۔ اگر عام مفسرین کے اس قول کو اختیار کر لیا جائے تو بلاوجہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پوری سورت مکی ہو اور ایک آیت مدنی، شاہ صاحب نے جو توجیہ کی ہے وہ اس الجھن کو دور کر دیتی ہے اور مکی سورت کے درمیان ایک آیت کو مدنی قرار دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کلام کا نظم بھی باقی رہتا ہے اور مفہوم بھی بلند ہو جاتا ہے لیکن مفسروں میں مولانا امین احسن اصلاحی (تدبر قرآن ۳/۱۰) مولانا مودودی (تفہیم القرآن ۲/۴۶۶) اور مولانا ابو الکلام آزاد نے (ترجمان القرآن ۲/۳) یہی رائے اختیار کی ہے۔

سے مرتدہ کے شوہروں کو مہر دینا چاہیے فتح مکہ کے بعد یہ احکام اٹھا لئے گئے مگر فقیر کے نزدیک ان کا نسخ ثابت نہیں ہے لہٰذا اگر صلح حدیبیہ کی حالت پھر لوٹ آئے تو ممکن ہے ان احکام پر عمل کیا جائے گا[1]

قصاص کی حکمت

بعض مقامات پر شاہ صاحب نے بالکل اچھوتے ڈھنگ سے آیت کی تفسیر کی ہے مثلاً ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب (البقرہ ۱۷۹) اے عقل والو قصاص میں تمہاری زندگانی ہے۔

شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں ایک نیا نکتہ پیدا کیا ہے اور وہ اصول مساوات ہے لکھتے ہیں کہ "اہل جاہلیت شریف کو وضیع کے مقابلہ میں قتل نہیں کرتے تھے اور شریف کے مقابلہ میں وضیع کے کئی افراد کو قتل کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکم الٰہی مقتول کے باب میں مماثلت کے اعتبار سے ہے بایں معنی کہ آزاد کا حکم جدا ہے کہ اس حکم میں آزاد دوسرے آزاد کے مثل ہے۔ اور غلام کا حکم جدا ہے کہ اس حکم میں ہر غلام دوسرے غلام کے مثل ہے اور عورتوں کا حکم جدا ہے کہ اس حکم میں ہر عورت کے مثل ہے اور عورتوں کے حکم کا اعتبار دیات کے باب میں ہے نہ کہ قصاص کے معاملہ میں، پس ان جنسوں کا ہر فرد دوسرے فرد کے مساوی ہے۔ ہر چند کہ بعض شریف ہوگا اور بعض وضیع، بعض خوبصورت، بعض بدصورت، بعض مالدار اور بعض فقیر اور سنت نے دوسری دو جنس کا اضافہ کیا ہے مسلمان مسلمان کے مقابلہ میں اور کافر کافر کے مقابلہ میں اگر بعض ورثاء معاف کر دیں، یا قصاص کے بجائے خوں بہا قبول کر لیں تو ولی درم کو چاہیے کہ بحسن و خوبی مطالبہ کریں نہ کہ سختی کے ساتھ، اور قاتل کو چاہیے کہ خوشدلی سے ادا کریں نہ کہ بدخوئی سے[2] آیت قصاص کے ضمن میں اس نظریہ مساوات کی قدر و قیمت کیا ہے مولانا عبید اللہ سندھی اس پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں" قصاص کی یہ تعبیر غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گی۔ شاہ صاحب کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس آیت میں انسانی مساوات کو منتہاء حیات قرار دیا ہے۔ انسانی مساوات کے متعلق اس بنیادی چیز کی طرف جہاں تک میری نظر کام کر سکی ہے ہمارے کسی صاحب فکر کی توجہ نہیں گئی[3]

جمع قرآن کا مطلب

شاہ صاحب نے سورہ القیامہ کی حسب ذیل آیت سے جمع قرآن کے مختلف طریقوں کا استنباط کیا ہے

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان   [2] حاشیہ فتح الرحمان

[3] شاہ ولی اللہ کا فلسفہ ص۵۳-۵۴

"لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه (القیامہ ۱۶-۱۷) اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے مراد مفسرین نے "جمعه فی صدرك" یعنی آپ کے سینہ میں محفوظ کریں گے، لیا ہے۔ شاہ صاحب غالباً پہلے مفسر ہیں جنھوں نے آیت کے مفہوم میں وسعت تلاش کرتے ہوئے کہا ہے "بظاہر بندہ کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ یقیناً ہمارے اوپر قرآن کو مصاحف میں جمع کرنا عصرُ ابعد عصر اس کی قرآت اور حفظ اور اس کے معنی کی تفسیر وضاحت کا وعدہ لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے شیخین کے ہاتھ پر قرآن کو جمع کر کے ہر زمانہ کے قاریوں کو توفیق بخشی کہ وہ حافظ ہوں اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھیں اور ہر زمانہ کے مفسرین کو توفیق دی کہ اس کی تفسیر کرنے کی کوشش کریں [1]

شاہ صاحب کی اس تفسیر سے مشہور قول کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کی توثیق ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ اس کو وسعت اور جامعیت بھی مل جاتی ہے اور یہی شاہ صاحب کی اس تشریح کی خصوصیت ہے ازالۃ الخفا میں اس کی مزید تشریح کی گئی ہے، شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ " خارج میں حفظ الٰہی کی صفت ظہور یہ ہے کہ امت مرحومہ کے صالحین کے دلوں میں الہام فرمایا کہ اس کی تدوین کی تمام تر کوشش کریں اور تمام مسلمان ایک نسخہ پر مجتمع ہوں اور ہمیشہ تمام مسلمان عموماً اور قاریوں کی بڑی جماعت خصوصاً اس کی قرآت و مشق میں مشغول رہے تاکہ سلسلہ تواتر کمزور نہ ہو بلکہ دن بدن بڑھتا رہے اور ہمیشہ دوسری جماعت اس کے اسباب نزول کے بیان اور غرائب کی شرح اور اس کی تفسیر میں سعی بلیغ کرے تاکہ ہر زمانہ میں ایک جماعت تفسیر کا اہتمام کرے " [2]

شاہ صاحب کی انفرادیت کے بعض پہلو

سورہ ہود کی درج ذیل آیت ملاحظہ کیجیے۔

حتی اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیها من کل زوجین اثنین۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا اور وہ تنور ابل پڑا تو ہم نے کہا ہر قسم کے جانوروں کا ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو (ھود - ۴۰) یہاں "فار التنور" سے مراد شاہ صاحب نے غضب الٰہی لیا ہے جب کہ عام طور پر مفسرین نے زمین سے پانی کا ابلنا اور بعض نے خاص قسم کا تنور مراد لیا ہے [3] یہاں شاہ صاحب نے غضب الٰہی کو متعین

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲۴/۱ - ۲۵۔

[3] ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد دوم تفسیر (آیت ۴۰) نیز روح المعانی وغیرہ

کر کے ایک نئی بات پیدا کی ہے جو پورے کلام کو اٹھا دیتی ہے، اب گویا ترجمہ یہ ہو گیا "تا وقتیکہ آمد فرمان ما و بجوشید (تنور) غضب الٰہی" اس غضب کی خارجی شکل خواہ چشمہ کا ابلنا ہو یا آگ کے تنور کا چشمہ بن جانا ہو یا جو بھی شکل فی الواقع پیش آئی ہو سب اس میں سما جاتی ہے

سورہ ہود کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو۔

"الا انهم یثنون صدورهم لیستخفوا منه الا حین یستغشون ثیابهم یعلم ما یسرون وما یعلنون انه علیم بذات الصدور" (ھود ۵) دیکھو! یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں خبردار جب یہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانکتے ہیں اللہ ان کے چھپے کو بھی جانتا ہے اور کھلے کو بھی وہ تو ان بھیدوں سے بھی واقف ہے جو سینوں میں ہیں" اس کی وضاحت شاہ صاحب یہ کرتے ہیں کہ سینے کو موڑنے (یثنون صدورهم) سے مراد یہ ہے کہ غلط طرز فکر اپناتے ہیں" بے تکے شبہات کے ذریعہ اپنے دل کو اطمینان دلاتے ہیں اور عقائد حق کو فراموش کر جاتے ہیں یہاں (صدور) سینے کے علم کے معنی میں آیا ہے [1] شاہ صاحب نے آخری جملے میں آیت کا پورا مفہوم سمیٹ لیا ہے۔ عام مفسروں نے سینہ موڑنے سے مراد یا تو دین کی دعوت سے انحراف کرنا مراد لیا ہے یا افعال و اعمال کو چھپانے کی ناکام کوشش مراد لی ہے، شاہ صاحب نے یہاں غلط طرز فکر اختیار کرنا مراد لیا ہے شاہ صاحب کے اس بیان میں جو ندرت اور معنویت ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

سورہ ہود کی یہ آیت بھی ملاحظہ کیجیے۔

فاما الذین شقوا ففی النار لهم فیها زفیر وشهیق خلدین فیها مادامت السموت والارض الا ما شاء ربك ان ربك فعال لما یرید (ھود ۱۰۶ - ۱۰۷) جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے وہ ہانپیں گے اور پھنکاریں ماریں گے اور اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں الا یہ کہ تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔

عام مفسرین نے "مادامت السموت والارض" سے مراد یا تو موجودہ آسمان و زمین کے علاوہ آخرت کا آسمان و زمین مراد لیا ہے جس کی طرف اشارہ سورہ ابراہیم کی حسب ذیل آیت میں ہے۔

یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت وبرزوا لله الواحد القهار (ابراهیم ۴۸) ڈراؤ انھیں اس دن سے جب کہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دئے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان

قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔

یا پھر اس سے مراد دوام لیا ہے اور اسے ایک انداز تعبیر قرار دیا ہے یہاں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم میں ٹھہرنے کی مدت دنیا میں آسمان و زمین کے دوام کی مدت کی طرح ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور کسی کے سمجھ میں نہیں آتی اس کا اعتبار نہ کرو۔ حاصل بلیغ انداز میں دوام کا بیان ہے۔[1] شاہ صاحب نے اگرچہ "یہاں دوام" کا اضافہ کر کے دوسرے نظریے کی تائید کی ہے مگر پوری بات یہ بتاتی ہے کہ جنت و جہنم میں لوگ غیر متناہی مدت تک نہیں رہیں گے بلکہ اس کی بھی کوئی نہ کوئی انتہا ہو گی اور یہ انتہا اس طویل مدت کے بعد ہو گی جو موجودہ آسمان اور زمین کی مدت ہے بشرطیکہ خدا چاہے

غرانیق العلی کی تحقیق

ایک نظر غرانیق العلی کی روایات پر بھی ڈالنا ضروری ہے جس کے زیر اثر بہت سے مفسرین و محدثین غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور سلمان رشدی (علیہ اللعنۃ) نے اسی کے سہارے اپنی کتاب شیطانی آیات میں وحی الٰہی کو نعوذ باللہ شیطانی آیات سے تعبیر کیا ہے چنانچہ اس واقعہ سے متعلق سورہ حج کی درج ذیل آیت کا صحیح پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

"وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطن في امنيته فينسخ الله ما يلقي الشيطن ثم يحكم الله آيته والله عليم حكيم (الحج ۵۲)

اور اے نبیؐ تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی جب اس نے تمنا کی تو شیاطین اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا اسی طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے اللہ علیم و حکیم ہے۔

کتب تفسیر و حدیث اور سیرت میں ایک واقعہ ملتا ہے جسے اس آیت کی شان نزول سمجھا جاتا ہے اور اس سے آیت کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی محفل میں تشریف فرما تھے آپ کی خواہش ہوئی کہ آج کوئی ایسی آیت اللہ کی طرف سے نازل نہ ہو جس سے

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان، فتح الرحمان کے قلمی نسخہ میں عربی میں حسب ذیل عبارت ملتی ہے "مدۃ خلودھم ینقسم الی نوعین نوع یصل علم الناس الیہ بالقیاس الی دوام السموٰت والارض ونوع غیر ھذا النوع یاتی بعد ذالک لا یصل الیہ علم احد بل ھو فی مشیۃ اللہ دیکھیے حاشیہ فتح الرحمان (قلمی)

یہ لوگ بھڑک اٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم نازل کی چنانچہ آپ نے تلاوت فرمائی اور جب افرءیتم اللت والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری" تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے تلك الغرانيق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجی (یہ بڑی دیویاں ہیں اور ان کی شفارش قبول کی جائے گی، اور آپ نے قرآن کی آیات کے ساتھ دونوں جملوں کی قرأت کی اور پوری سورۃ کی تلاوت مکمل فرمائی اختتام سورۃ پر آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ سارے حاضرین (کفار) نے سجدہ کیا (یہ سوچ کر کہ محمدؐ نے ہمارے بتوں کو مان لیا ہے اب جھگڑا ختم ہو گیا) شام ہوئی تو جبریل امین تشریف لائے تو آپؐ نے ان کو سورۃ النجم سنائی جب ان دو شیطانی جملوں تک پہونچے تو جبریل نے کہا میں نے تو یہ دونوں جملے آپ کو نہیں سنائے تھے اس کی تنبیہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل فرمائی۔

"وان كادوا ليفتنونك عن الذي اوحينا اليك لتفتري علينا غيره واذا لاتخذوك خليلا ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا اذا لاذقناك ضعف الحياة وضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا (بنی اسرائیل ۷۳-۷۵) اے نبیؐ مشرکوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رہنے دیتے تو تم کسی قدر ان کی طرف مائل ہونے ہی لگے تھے اس وقت ہم تم کو زندگی میں بھی (عذاب کا) دونا اور مرنے پر دونا عذاب کا مزہ چکھاتے پھر تم ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی ملول و غمگین ہوئے، یہاں تک کہ سورہ حج کی مذکورہ آیت نازل ہوئی[1] اس واقعہ کو تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ابن سعد، ابن جریر ابن ابی حاتم ابن المنذر وغیرہ نے بیان کیا ہے، حافظ ابن حجر، ابوبکر جصاص، زمخشری اور ابن جریر نے اس کو درست قرار دیا ہے ان اسباب کی بناء پر آیت کا مفہوم متعین کرنے میں دو چند دشواریاں پیش آئی ہیں حالانکہ مذکورہ واقعہ اور اس کی تفصیلات میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں یہ روایت حضرت سعید ابن جبیر اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے حوالے سے کئی طریقوں سے آئی ہے، مگر ان میں سے کوئی درست نہیں[2] نہ اس کی روایت اصحاب صحاح نے کی اور نہ سند متصل کے ساتھ کسی ثقہ راوی نے کی ان کے رواۃ ضعیف ہیں ان کی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے، ان کے کلمات میں اختلاف ہے اور روایات میں زبردست اضطراب ہے

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ج۳ ۱۲۹۹-۱۳۰۰
[2] تفسیر ابن کثیر النجم آیت ۵۲

ایک راوی کہتا ہے کہ یہ واقعہ حالت نماز میں پیش آیا اور دوسرا کہتا ہے کہ قریش کی مجلس میں نزول سورہ کے وقت پیش آیا، تیسرا کہتا ہے کہ اس وقت آپ اونگھ رہے تھے، چوتھا کہتا ہے کہ آپ نے خود کلامی کے طور پر کہا اور غافل ہو گئے، پانچواں کہتا ہے کہ شیطان نے آپ کی زبان پر طاری کر دیا [1]

اگر اس واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو کئی مشکلات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اولاً اس صورت میں وحی الٰہی کو کوئی ضمانت نہیں رہتی اور دین حنیف کا سرچشمہ مشتبہ قرار پاتا ہے، دوسرے یہ کہ جب یہ واقعہ ہجرت حبشہ کے فوراً بعد یعنی ۵ نبوی کا ہے اور سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت معراج کے بعد نازل ہوئی ہے اور معراج کا زمانہ معتبر روایات کے مطابق ۱۱ یا ۱۲ نبوی کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو پانچ سال بعد تنبیہ کی اور چونکہ سورہ حج ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ اس کی وضاحت اس کے تین سال بعد ہوئی؟ تیسرے یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب شیطان نے وہ کلمہ طاری کیا تو اس کے بعد کے کلمات یعنی "الکم الذکر ولہ الانثی تلک اذا قسمۃ ضیزی. ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم واباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطن ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدی. (النجم ۲۳ - ۲۱) کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے یہ تو پھر بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی ہے حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے"

ان میں کفار کی ان کے مشرکانہ عقائد پر مذمت کی گئی ہے، کیا کافروں نے نہیں سنا تھا؟ یہ اور ان جیسی بہت سی پیچیدگیاں ہیں جو واقعہ کی تفصیلات کو بے معنی بنا دیتی ہیں [2] اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ شیطان کے القا کا مسئلہ افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، شاہ صاحب کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ان تمام واقعات سے صرف نظر کر کے آیت کے نظم سے مفہوم متعین کرتے ہیں اور یہ آیت کی بڑی انوکھی تشریح ہے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "تمنی" کی وضاحت کی ہے اور اسی وضاحت سے سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ اس سرزمین کی طرف ہجرت کر چکے ہیں جہاں کھجور کے بہت سے درخت ہیں تو گمان ہجر و یمامہ کی طرف

---

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۲/۱۰۴

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ دوم از ص۱۰۶ تا ص۱۱۴

ہوا حالانکہ نفس الامر میں وہ مدینہ تھا یا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ میں داخل ہو چکے ہیں اور حلق و قصر کرا رہے ہیں تو گمان ہوا کہ اس سال اس کی تعبیر پوری ہو جائے گی حالانکہ دراصل وہ چند سالوں کے بعد پوری ہوئی، اس قسم کی مثالوں میں مومنوں اور مخلصوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے [1] شاہ صاحب نے یہ دلچسپ منظر بیان کر کے آیت کے مفہوم کو اس پیچیدگی سے بالکل جدا کر دیا ہے، جس کا ارتکاب عام طور پر مفسروں کو کرنا پڑا ہے شاہ صاحب نے ایک دوسری جگہ شیطان کے مفہوم کی بھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں "شیطان سے مراد عالم تخلیط کی برائیاں ہیں اور ہر ایک مقرب کو اس کی جسمانیت کے لحاظ سے تخلیط حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس کے سینہ میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، جس پر ذوق کا شبہ ہوتا ہے لیکن وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور وسوسہ اس کے دل سے دور ہو جاتا ہے، نسخ سے مراد وسوسوں کا ازالہ ہے [2]

تفسیری معنویت

"سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی" اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنایا پھر راہ دکھائی۔ کی تشریح کرتے ہیں اللہ نے تمام مخلوقات کا اندازہ کیا اور اس اندازہ کے مطابق مخلوقات میں تصرف کیا تاکہ وہی صورت بروئے کار آئے چنانچہ اس تصرف کو ہدایت سے تعبیر فرمایا [3]

شاہ صاحب نے یہاں پر قدرت کاملہ کی تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت کی بڑی معنی خیز تشریح کی ہے جب کہ دوسرے مفسرین کے نزدیک تقدیر سے مراد قسمت اور ہدایت سے مراد راہ نمائی ہے۔

سورہ قصص کی حسب ذیل آیات دیکھیے۔

"الذین آتینھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یومنون۔ واذا یتلی علیھم قالوا امنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین (القصص ۵۳ ۔ ۵۲) جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں۔

دیگر مفسرین نے ان اہل کتاب کو مصداق قرار دیا ہے جو اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا یقین رکھتے تھے۔ اور ان میں سے بہت سے بعد میں ایمان لائے تھے، مگر شاہ صاحب نے یہاں

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] الخیر الکثیر ص۲۴۴ [3] حاشیہ فتح الرحمان

بھی ایک دوسری تعبیر اختیار کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے اور یہودیت کے منسوخ قرار دیے جانے کی تصریح سے پہلے یہود قرآن کریم کے معتقد تھے اور کہا کرتے تھے کہ عربوں پر قرآن کا حکم ماننا لازم ہے [1] اس قبیل کی سورہ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیت دیکھیے۔

"الذین اتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یومنون بہ ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخٰسرون (البقرہ ۱۲۲) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے وہ اس پر سچے دل سے ایمان لے آئے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جو لوگ توریت کو سمجھتے ہیں وہ شریعت محمدیہ کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ تصدیق نہیں کرتے ہیں وہ توریت کو نہیں سمجھتے" یہ مفہوم شاہ صاحب نے " یتلونہ حق تلاوتہ " سے اخذ کیا ہے جب کہ یہ مفہوم بھی عام مفسرین کے بیان کردہ مفہوم سے منفرد معلوم ہوتا ہے اور اس میں ایک ندرت یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کو شاہ صاحب نے فہم توریت کے نقص پر محمول کیا ہے خواہ وہ نقص اس اعتبار سے ہو کہ واقعی وہ توریت کو نہیں سمجھے یا اس اعتبار سے کہ توریت کی تکمیل اور خاتم کو جب نہیں سمجھے تو گویا توریت کو نہیں سمجھے، مذکورہ دونوں تعبیروں میں ایک قسم کی ندرت اور علمی شگفتگی پائی جاتی ہے۔ دیگر مفسرین نے جو مفاہیم اخذ کیے ہیں وہ بھی سیاق و سباق کے لحاظ سے درست ہیں اور ان میں بھی بڑی معنویت ہے مگر شاہ صاحب کی انفرادیت اپنی جگہ ہے شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں "ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم" کے مابین "مخبرا" مقدر مانا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی کی بشارت سنانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے

اسی طرح سورہ الشوریٰ کی آیات ذیل کی تفسیر کرتے ہیں۔

"والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظٰلمین (الشوریٰ ۴۰-۳۹) اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے میں برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا" "مغفرت در حق خود عزیمت است و انتقام رخصت و در حق ضعفاء قوم انتقام لازم است مگر آنکہ ان ضعفا درگزارند [2] یعنی اپنے حق میں معاف کر دینا عزیمت

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] حاشیہ فتح الرحمان

ہے اور انتقام لینا رخصت مگر قوم کے کمزوروں کے حق میں انتقام لینا ضروری ہے الا یہ کہ وہ لوگ خود ہی معاف کر دیں۔

شاہ صاحب نے یہاں عمرانی نقطہ نظر سے آیت کی تشریح کی ہے اس تفسیر میں کمال ندرت اور دور اندیشی ہے اور اس کی تائید بعد کی آیات سے بھی ہوتی ہے مسلمانوں کے ذمہ داروں پر اگر ذاتی نوعیت کا ظلم ہو تو ان کو حق ہے کہ وہ معاف کر دیں مگر کمزوروں پر ظلم کیا جائے تو وہ ہرگز معاف کرنے کے حقدار نہیں ان کے لیے انتقام لینا ضروری ہے الا یہ کہ وہ قوم خود ہی معاف کر دے، قوموں کی زندگی کا یہ ایک معتبر اصول ہے لا اکراہ فی الدین (البقرہ ۲۵۶) کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حجۃ اسلام ظاہر شد پس گویا جبر نیست اگرچہ فی الجملہ جبر باشد" یہ آخری جملہ اگرچہ فی الجملہ جبر ہوگا بالکل الوکھی سی چیز معلوم ہوتی ہے قرآن تو دین کے معاملہ میں جبر کا انکار کر رہا ہے مگر شاہ صاحب فی الجملہ جبر کو ثابت کر رہے ہیں راقم کے نزدیک غالباً شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ اشاعت دین کے دو حصے ہیں ایک امر بالمعروف اور دوسرا نہی عن المنکر امر بالمعروف کے معاملہ میں تو بے شک جبر نہیں ہے اور یہی قرآن کی منشا ہے لیکن نہی عن المنکر کے معاملہ میں جبر ہوگا اور اس کی تائید بھی قرآن و حدیث سے ہوتی ہے اس لیے فی الجملہ کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ نہی عن المنکر کے معاملہ میں کافروں کی خواہشات اور مرضیات کا لحاظ نہ رکھا جائے گا منکر وہ ہوگا جو ریاست کے قانون پر مبنی ہوگا اور جس کا احترام ہر شہری کے لیے یکساں طور پر لازم ہوگا۔

بعض اور نکات

شاہ صاحب کے اخذ کردہ بعض نکات بہت ہی قیمتی اور لاثانی ہیں ایسا لگتا ہے جیسے شاہ صاحب آیت میں ڈوبتے ہیں اور پھر درشاہوار لے کر نمودار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ان نکات کی حسب ذیل تین مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) قل اللھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر (آل عمران ۲۶) (اے محمد) آپ اللہ تعالیٰ سے یوں کہیے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں" اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اس دعا کا حکم دینے میں بشارت ہے کہ کفار مغلوب ہوں گے [3] یعنی یہ آیت صرف درس دعا نہیں ہے

بلکہ مسلمانوں کو اقتدار کی بشارت بھی ہے۔

(۲) وھوالذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم وکان اللہ بما تعملون بصیرا۔ (الفتح ۲۴) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ کے قریب میں روک دئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا"

اس ذیل میں لکھتے ہیں کہ "بظاہر بندہ ضعیف کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کی بشارت ہے اس لیے کہ اس دن کو ماضی کے لفظ یعنی تحقیق کے قبیل سے بیان کرنا بشارت کی ایک قسم ہے"

(۳) فوسطن بہ جمعا۔ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں "یہ ایک قسم کا اشارہ ہے کہ جہاد شروع ہوگا اور رضائے الٰہی نمازیوں اور مجاہدوں کو حاصل ہوگی"[1] آخری آیت مکی ہے اور مکہ میں جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا البتہ جہاد کی طرف جیسا کہ شاہ صاحب کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے اشارہ ضرور کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی راہ میں مجاہدہ ایک لازمی مرحلے کی حیثیت سے آئے گا اور رضائے الٰہی کا معیار بن جائے گا جو لوگ اس میں شریک ہوں گے وہی رضائے الٰہی کے حقدار ہوں گے۔ مذکورہ تینوں مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب قرآن سے کس طرح انقلابی اور سیاسی امور میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور مظلومیت کے عالم میں غلبہ اسلام کا اشارہ تلاش کرتے ہیں۔

تطبیق

شاہ صاحب کے پسندیدہ موضوعات میں سے تطبیق کا موضوع ہے یعنی مختلف آیات احادیث اور نظریات میں تطبیق دینا فتح الرحمان میں بھی شاہ صاحب نے نظریہ تطبیق سے فائدہ اٹھایا ہے قرآن و حدیث میں تطبیق کی مثال ملاحظہ ہو۔

" انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ (البقرہ ۱۷۳) اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے"۔ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ اس آیت میں تو حرمت کو مذکورہ اشیاء میں محصور کر دیا گیا ہے حالانکہ حدیث میں سانپ، درندے اور ان کی مانند دوسری چیزوں کو بھی حرام شمار کیا گیا تو وجہ تطبیق کیا ہوگی۔

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] حاشیہ فتح الرحمان

میں کہتا ہوں یہ حصر حقیقی نہیں (اضافی ہے، کفار بحیرہ سائبہ کو حرام سمجھتے تھے تو ان کے مقابلہ میں کہا گیا کہ جانوروں میں مذکورہ اشیاء کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ اور خبائث میں درندہ اور اس کے مانند ہے[1]

سورتوں میں تطبیق کی مثال ملاحظہ ہو

"الذین آتینٰھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق (انعام ۱۱۴) اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے

اس کے ضمن میں لکھتے ہیں "مکی سورتوں میں مذکور ہے کہ یہود قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور مدنی سورتوں میں کہا گیا ہے کہ یہود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تطبیق یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو ابھی تک یہود کو اپنی شریعت کے اتباع کی دعوت نہیں دی تھی، بریں بنا تمام یہود صدق قرآن کے معترف تھے کہ قرآن کا حکم عربوں پر لازم ہے اور ان میں سے کوئی انکار نہ کرتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دی تو یہ لوگ عناد میں مبتلا ہو گئے، سیرت ابن اسحاق میں اس مضمون کے کئی قصے مذکور ہیں[2]

ربط آیات اور نظم قرآن

شاہ صاحب کا نظم قرآن کے سلسلہ میں موقف بہت واضح ہے وہ فی الجملہ نظم اور ربط کے قائل ہیں مگر چونکہ قرآن کا مقصد اپنا مدعا اپنے مخاطب کے ذہن نشین کرانا ہے اس لیے وہ ترتیب اور نظم کی معروف صورت کی پیروی نہیں کرتا۔ شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے اسی اصول کے پیش نظر انھوں نے آیات کے ترجمہ اور تفسیر میں اصل مطالب اور حکمت پر زور دیا ہے تاہم ثانوی طور پر آیات کے ربط اور نظام کو بھی انھوں نے موضوع بحث بنایا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے قرآنی آیات کے مضامین کا تجزیہ کیا ہے اور اس کا ہم آہنگ ہونا واضح کیا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت " واتقوا یوما لا تجزی نفس

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] سیرت ابن اسحاق میں اس قبیل کے جتنے واقعات مذکورہ ہیں وہ سب مدینہ سے متعلق ہیں یعنی ہجرت کے بعد کے واقعات ہیں مجھے ایسا کوئی واقعہ اس میں نہیں ملا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مکہ میں یہود قرآن کی حقانیت کا اعتراف کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ عربوں پر قرآن کی اطاعت واجب ہے۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن اسحاق کا اردو ترجمہ مشمولہ نقوش، رسول نمبر ۱۱ ص ۷۸-۸۲

عن نفس شیئاً (البقرہ ۴۸)

کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "اس جگہ سے سیقول السفہاء تک اللہ تعالیٰ ہمارے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اسباب بیان کرتا ہے الخ" اور سیقول السفہاء کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنا کر نماز ادا کی اور آپ کی آرزو تھی کہ کعبہ کو اللہ قبلہ بنا دے تو خدا نے نازل کیا "قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء" اس کے بعد اس مسئلہ میں قبلے وقوفوں کے شبہ کا جواب دیا، اس کے بعد جہاد کے اشتیاق پر صبر کا حکم دیا۔ توحید و قصاص، حج اور صوم، صدقہ اور نکاح اور طلاق کے بہت سے احکام جن میں اہل جاہلیت نے تحریف کر ڈالی تھی یا ان میں انصاف سے کام نہیں لیتے تھے ان کی حقیقت حال بیان فرمائی، مخالفین کے شبہات کا ابطال کیا، ان کے سوالوں کا جواب دیا اور یہ سیاق "الم تر الی الذین خرجوا" کے آخیر تک پھیلا ہوا ہے [۱] اسی طرح والمستغفرین بالاسحار (آل عمران ۱۷) کے مضمون کی وضاحت کے بعد کہتے ہیں "اور یہ مضمون پھیلا ہوا ہے واذ غدوت من اھلک تک

اس ضمن میں شاہ صاحب نے ربط آیات اور تطبیق پر بھی توجہ دی ہے مثلاً حسب ذیل آیت

"فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرا (النساء ۱۶۰) تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستہ سے لوگوں کو روکتے تھے"

اس کے ذیل میں لکھتے ہیں "اگر تم کہو کہ عیسیٰؑ کا انکار یہود نے توریت کے نزول کے بعد کیا تھا اور اونٹ کے گوشت اور ناخن والے جانور کی تحریم توریت میں مذکور تھی تو یہ حضرت عیسیٰؑ کے انکار کی سزا کیونکر ہو سکتی ہے۔ میں کہوں گا کہ اس بندہ کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ طیبات کی تحریم سے مراد ان نعمتوں کو موقوف رکھنا ہے جو کہ ماضی میں ان کو دی گئی تھیں یعنی بادشاہت، نبوت اور نصرت وغیرہ اور یہ آیت ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ الخ اور آیت وحرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون کے مشابہ ہے۔ پس اس صورت میں پورا کلام مربوط ہو جائے گا" [۲]

ربط آیات کے ضمن میں شاہ صاحب نے ان آیات کی بھی توجیہ کی ہے جو کسی سلسلہ کلام میں اچانک آجاتی ہیں مثلاً لعمرک انھم فی سکرتھم یعمھون (الحجر ۷۲) کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ جملہ حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ کے درمیان اس لیے زیادہ کیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو، کیونکہ مشرکین مکہ کی حالت

[۱] حاشیہ فتح الرحمان [۲] حاشیہ فتح الرحمان

قوم لوط اور ان جیسی قوموں کی حالت پر منطبق ہو جاتی ہے۔

اسی طرح شاہ صاحب نے حسب ذیل آیت کے تحت لکھا ہے ام یقولون افتراہ قل ان افتریتہ فعلی اجرامی (ھود ۳۵) (کیا یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر نے قرآن اپنے دل سے گھڑ لیا ہے کہدو کہ اگر میں نے اپنے دل سے بنا لیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر ہوگا اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں)

"اس جملہ کا اضافہ حضرت نوح کی قوم کے قصہ کے درمیان کیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ حضرت نوح کی قوم کا حال مشرکین مکہ کے حال پر چسپاں ہوتا ہے" [۱]

غرضیکہ شاہ صاحب نے قرآن کریم کے مطالب و مفاہیم کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے ضمنی طور پر ربط آیات پر بھی توجہ دی ہے قرآن کے مطالب اور ربط آیات کے سلسلہ میں یہ ایک متوازن رویہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب قرآنی آیات میں ربط و نظم کے فی الجملہ قائل ہیں، وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ عہد نبوی میں ہر سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی "یعنی ہر سورہ میں آیات کی ترتیب و تنظیم کی توقیفی حیثیت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر جہاں تک مختلف سورتوں میں باہم ربط و نظم اور مناسبت کا تعلق ہے تو شاہ صاحب اس ترتیب کو ضروری نہیں سمجھتے وہ قرآن کو مجموعہ مکاتیب کے مانند تصور کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے الفوز الکبیر میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

"قرآن مجید کو عام کتابوں کی مانند ابواب اور فصلوں میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر بحث الگ باب یا فصل میں بیان کر دی جاتی بلکہ قرآن مجید کو مکاتیب کے مجموعہ کی طرح تصور کرنا چاہیے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو وقت کی ضرورت کے لحاظ سے کوئی فرمان جاری کرتا ہے پھر دوسرا اور تیسرا فرمان لکھتا ہے یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے اسی طرح شہنشاہ مطلق نے بندوں کی ہدایت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ضرورت قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر سورۃ جداگانہ مرتب و محفوظ تھی، آپؐ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کر دی گئیں" [۲]

یہ سوال کہ قرآنی علوم کو بیان کرنے میں کسی خاص ترتیب کی رعایت کیوں نہیں کی گئی مثلاً آلاء اللہ کا پورا ذکر ایک جگہ ایام اللہ کا مکمل بیان دوسری جگہ اور علم مخاصمہ کی ساری تفصیل تیسری جگہ ہوتی، شاہ صاحب اس کی

[۱] حاشیہ فتح الرحمان [۲] الفوز الکبیر ص۴۷

حکمت اور مصلحت یہ بیان کرتے ہیں۔

"قرآن مجید میں عربوں کی زبان اور اسلوب بیان کی موافقت کی گئی ہے چنانچہ قرآن کی آیت "لقالوا اعجمی وعربی" میں اسی کی طرف اشارہ ہے چونکہ عربوں کے پاس قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت تک کوئی آسمانی یا انسانی مرتب کردہ کتاب نہ تھی اور ابواب وفصول کی جو ترتیب مصنفین نے اب ایجاد کی ہے عرب اس سے ناواقف تھے اگر یقین نہ ہو تو مخضرمین کے قصائد میں غور کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور حضرت عمرؓ کے مکتوبات کا مطالعہ کرو پس اگر قرآن شریف کی زبان ان کے اسلوب کے خلاف ہوتی تو وہ حیرت زدہ ہو جاتے[1] مولانا حمید الدین فراہی شاہ صاحب کے موقف کی تائید و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شاہ ولی اللہ نے قرآن کو شاہی خطوط سے مشابہ مانا ہے جو مختلف احکام اور ہدایات پر شامل ہو اور حسب ضرورت وقت مختلف ہدایتیں کی گئی ہوں مگر چونکہ عنوان نہیں لکھا گیا اس لیے منتشر معلوم ہوتا ہے اس وقت میں چونکہ لوگ واقف تھے کہ فلاں امور درپیش ہیں اس لیے ان کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام باتیں بالکل حسب موقع وضرورت ہیں مگر آج ان کا حسب موقع ہونا مخفی ہو گیا ہے۔ گویا شاہ صاحب ترتیب کو نہیں مانتے اور ضروری بھی نہیں سمجھتے، یہ خیال ایک حد تک بالکل صحیح ہے لیکن یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ عنوان قائم کیا جائے اور وہی ارکوح کی بنیاد ہو"[2]

یہ بات کہ ان ہدایات پر عنوان نہیں لکھا گیا اس لیے منتشر معلوم ہوتا ہے، شاہ صاحب کا قول نہیں بلکہ مولانا فراہی نے ان کی تحریر سے استنباط کیا ہے۔ بہر حال شاہ صاحب کے بعد ان کے جانشینوں میں ربط آیات پر زیادہ توجہ ان کے صاحب زادہ شاہ عبد العزیزؒ نے فتح العزیز میں دی ہے۔

اقسام القرآن

شاہ صاحب نے قرآن کی قسموں پر بالعموم اپنی تفسیر میں اظہار خیال نہیں کیا ہے بلکہ الخیر الکثیر میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، "الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ عرب اپنے قصائد کے شروع میں تشبیب سے کام لیتے تھے اس اسلوب پر اللہ نے بہت سی چیزوں کا ذکر کیا ہے البتہ سورہ الزخرف کی حسب ذیل آیت کی تشریح میں انھوں نے جو کچھ لکھا وہ ان کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا ہے۔

حم والکتاب المبین انا جعلنہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون (الزخرف ۳) (حم کتاب روشن

---

[1] الفوز الکبیر ص۵۶ [2] ماہنامہ الاصلاح جنوری ۱۹۳۶ء سرائے میر اعظم گڑھ

کی قسم کہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو)

"کسی چیز کی قسم اسی چیز یا اس کے لازم کو ثابت کرنے کے لیے اس بات پر کنایہ ہے کہ وہ چیز اپنی دلیل آپ ہے چنانچہ کہتے ہیں قسم بلب میگوں وزلف شبگوں تو کہ تو معشوق دل ربائی[1] گویا قرآن اور خود اپنی ذات کی قسم اللہ تعالیٰ نے اس لیے کھائی ہے کہ وہ اپنی دلیل آپ ہے اس پر کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں۔

الفاظ کی تحقیق

شاہ صاحب نے مشکل الفاظ کی وضاحت کے لیے الگ سے ایک کتاب "فتح الخبیر" کے نام سے لکھی ہے لیکن فتح الرحمان کے حاشیہ پر بھی انھوں نے کہیں کہیں قرآنی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی ہے مثلاً "حنیف" کی تشریح کرتے ہیں "حنیف اس کو کہتے ہیں جو کعبہ کا استقبال کرتا ہے، حج ادا کرتا ہے، ختنہ کراتا ہے اور غسل جنابت کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ یہ اس کا نام ہے جو ابراہیمی شریعت کی پیروی اختیار کرتا ہے۔" ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ (النساء ۳۱) میں کبائر کی تشریح کرتے ہیں۔ اور گناہ کبیرہ وہ ہے کہ اس کے لیے حد مقرر ہو یا اس پر جہنم کی وعید ہو یا اسے کفر کا نام دیا گیا ہو قرآن و سنت صحیحہ میں اصحب الکھف والرقیم کی تشریح میں کہتے ہیں کہ وہ تحریر جو غار کی دیوار پر لکھی گئی تھی فکانوا کھشیم المحتظر میں حظیرہ کے معنی بیان کرتے ہیں "حظیرہ وہ احاطہ ہے جو سوکھی ٹہنیوں اور کانٹوں سے بکریوں کے لیے بناتے ہیں اور وہ جانوروں کے گذرنے کی وجہ سے پائمال ہو جاتا ہے۔

اسرائیلی روایات کے بارے میں موقف

اسرائیلی روایات کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا نقطہ نظر جیسا کہ انھوں نے خود ہی فتح الرحمان کے مقدمہ میں واضح کیا ہے یہ ہے "اسرائیلی روایات جو کہ علماء اہل کتاب سے منقول ہیں نہ کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے فتح الرحمان میں شامل نہیں کیے گئے ہیں، بجز اس جگہ پر جہاں بغیر اس کے معنی کی گرہ نہیں کھلتی اور ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں،"[2] چنانچہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر میں اسی ضابطہ کی پیروی کی ہے، مگر بعض مقامات پر جہاں انھوں نے قرآنی واقعہ کی توضیح مذکورہ نہج پر کی ہے وہاں غالباً ان کی نظر سے واقعہ کا دوسرا رخ اوجھل رہ گیا ہے اور اس وجہ سے ان کی توجیہ دیگر مفسرین کی طرح سے قرآن کی گرہ کھولنے سے قاصر رہی ہے مثال

---

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] مقدمہ فتح الرحمان

کے طور پر حسب ذیل آیت میں غور کیجیے۔

هو الذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها لیسکن الیها فلما تغشّها حملت حملا خفیفا فمرت به فلما اثقلت دعوا الله ربهما لئن اٰتیتنا صالحا لنکونن من الشکرین فلما اٰتٰهما صالحا جعلا له شرکاء فیما اٰتٰهما فتعلی الله عما یشرکون (الاعراف ۱۸۹ - ۱۹۰) وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اسی کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے سو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے پھر جب کچھ بوجھ محسوس کرتی ہے تو وہ دونوں اپنے پروردگار خدائے عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم بچہ دے گا تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے۔ جب وہ ان کو صحیح وسالم بچہ دیتا ہے تو اس میں جو وہ ان کو ملا ہے اس کا شریک مقرر کرتے ہیں، جو وہ شرک کرتے ہیں خدا اس سے بلند ہے۔"

شاہ صاحب اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ "یہ انسان کی صورت حال ہے کہ حمل کے وقت نیت اس کی درست ہوتی ہے اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اسے بھول جاتا ہے اور نام میں شرک کرتا ہے، یہ حوّا کے حال پر منطبق ہوتا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب حوّا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا، چونکہ ان مقامات کی مثالوں میں تمام قیود ضروری نہیں اس لیے آدم اس شرک سے بری ہیں اور یہ آیت ان کی عصمت کو صدمہ نہیں پہونچاتی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نام میں شرک بھی شرک ہی ہے جس طرح لوگ غلام فلاں اور عبد فلاں وغیرہ نام رکھتے ہیں [1]

یہ تفسیر تو فتح الرحمان کے مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے، قلمی نسخہ (خدا بخش) میں فارسی کے بجائے عربی میں حسب ذیل تفسیر کی گئی ہے

هذه الاٰیة مشکلة لان ظاهرها وقوع الاشراک من آدم وقد نقل ان الانبیاء معصومون فاضطر المفسرون الی التفصی من هذا الاشکال فقیل معنی جعلا له شرکاء جعل اولادهما له شرکاء بدلیل قوله تعالی الله عما یشرکون، ولا یخفی ما فیه من البعد والخرام لنظم الکلام وقیل الخطاب لقریش والنفس والدة قصی جعل له من خیر امراة عربیة قرشیة وسمیا اولادهما عبد منات وعبد الرحمان وعبد العزی وعبد قصی قال الزمخشری وهذا التفسیر حسن لا اشکال فیه قلت فیه اشکال عظیم وهو ان الحدیث المرفوع دال علی ان صاحبة

[1] حاشیہ فتح الرحان

القصة هی حوا وقیل الشرك فی التسمیة اهون وفیه نظر لان الله تعالی ساق آیة التشنیع علیها والذی ظهر لی ان فاعل تغشها ضمیر راجع الی احدهم والمعنی خلق الله الناس من آدم وکان بدء خلقهم ان خلق من آدم زوجته لیسکن الیها فحصل منها النسل ثم رجع الی اول الکلام وهو ان الله خلقهم فلم یشکروا له ولم یؤدوا حقه وذالك ان احدهم لما تغشی امراته حملت فحصل بسبب الاختصار غموض ولیس فی الحدیث الا ذکر حوا فلعلها سمیت بغیر اذن آدم ثم تابت من ذالك والله اعلم [1]

ہر چند کہ یہاں شاہ صاحب نے عصمت نبی کو بچانے کی کوشش کی ہے مگر حدیث کے حوالہ سے مذکورہ واقعہ لکھ کر آیات کا وہی مفہوم بیان کیا ہے جو بالعموم بتایا جاتا ہے [2] حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو تین وجوہ کی بنا پر معلول قرار دیا ہے، سب سے پہلے حدیث کی سند پر نظر ڈالیے ابن جریر اس حدیث کی روایت کرتے ہیں عن محمد بن بشار عن بندار عن عبد الصمد اور ترمذی روایت کرتے ہیں عن محمد بن المثنی عن عبد الصمد اور کہتے ہیں "هذا حدیث حسن غریب لا نعرفه الا من حدیث عمر و بن ابراهیم ورواه بعضه عن عبد الصمد ولم یرفعه - اب ابن کثیر کا نقد ملاحظہ ہو۔

(۱) عمرو بن ابراهیم بصری ہیں ابو حاتم الرازی نے ان کے بارے میں کہا" لا یحتج به "

(۲) یہ قول سمرہ کا ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جریر کہتے ہیں حدثنا ابن عبد الاعلی حدثنا المعتمر عن ابیه حدثنا بکر ابن عبد الله عن سلیمان التیمی عن ابی العلا ابن الشخیر عن سمرة بن جندب قال سمی آدم ابنه عبد الحارث"

(۳) حضرت حسن نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے مگر انھوں نے یہ بات نہیں لکھی اگر یہ ان کے نزدیک سمرہ سے مروی مرفوع حدیث ہوتی تو وہ اس سے تجاوز نہ کرتے، ابن جریر نے لکھا ہے کہ حسنؒ نے کہا کہ یہ بعض ملتوں کے بارے میں ہے نہ کہ آدم کے بارے میں۔ ان تین اشکالات کے بعد ابن کثیر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں: "فهذا یدلك علی انه موقوف علی الصحابی ویحتمل انه تلقاه من بعض اهل الکتاب من آمن منهم مثل کعب وهب بن منبه وغیرهما [3] اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ روایت صحابی پر موقوف ہے اور اس کا احتمال ہے کہ انھوں نے اسے بعض ان اہل کتاب سے لیا ہو جو ایمان لے آئے تھے مثلاً

[1] فتح الرحان (قلمی) [2] یہ روایت مسند احمد، ترمذی اور مستدرک للحاکم وغیرہ میں آئی ہے

[3] تفسیر ابن کثیر (الاعراف آیت ۱۹۰)

کعبؓ اور وہبؒ بن منبہ وغیرہما حافظ ابن کثیر کا یہ خیال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق کفار ہیں جو خدا سے اولاد کی دعا مانگتے تھے اور جب ان کو اولاد مل جاتی تھی تو بدستور شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اگر حواؑ اس کا مصداق ہوتیں تو نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی طرح ان پر عتاب نازل ہوتا کیونکہ انبیاء کی بیویوں کا معاملہ عام عورتوں سے مختلف ہوتا ہے، دین کے مزاج کا تقاضہ ہے کہ معیار نبوت کو گرانے کے بجائے روایت کے سقم کو قبول کر لیا جائے اور اس موقعہ پر شاہ صاحب کمزور محسوس ہوتے ہیں۔

مثال اور ممثل لہ میں مطابقت

تفسیری حواشی میں شاہ صاحب نے امثال القرآن کی تشریح کا بھی التزام کیا ہے اور ان کو بڑے حکیمانہ انداز میں ممثل لہ پر منطبق کیا ہے۔ اس انطباق میں شاہ صاحب کا اپنا ذوق بھی منعکس ہوتا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت

یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا۔ (البقرہ ۲۰) برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی جہاں ذرا ان کو (بجلی کی) چمک ہوئی تو اس (کی روشنی) میں چلنا شروع کیا اور جب ان پر تاریکی ہوئی (پھر کھڑے کے) کھڑے رہ گئے۔

اس کی تشریح کرتے ہیں "اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ منافق نفسانیت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جب قرآن کے بلیغ مواعظ سنتے ہیں تو فی الجملہ ان کو تنبیہ ہوتی ہے مگر ان سے انھیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا ان مسافروں کی طرح جو بادلوں کی تاریک رات میں حیران رہتے ہیں اور بجلی کی چمک میں دو تین قدم آگے بڑھتے ہیں اور پھر مبہوت ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں [1]

سورہ ابراہیم کی آیت

الم ترکیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء (ابراھیم ۲۴) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (توحید و ایمان) کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں

[1] حاشیہ فتح الرحمان

جا رہی ہوں۔"

اس کی تشریح کرتے ہیں "شریعت حق ملکوت میں ثابت ہے اور دنیا میں ہر روز تازگی حاصل کرتی ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ملت جاہلیہ ملکوت میں استقرار نہیں رکھتی اچانک لوگوں کے درمیان پھیلتی ہے اور پھر منتشر ہو جاتی ہے۔" [1]

سورہ النحل کی آیت

ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیء ومن رزقنہ منا رزقا حسنا الخ (النحل ۷۵) اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک تو ہے غلام جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا شخص ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا کیا ہے اور وہ اس میں کھلے اور چھپے خوب خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟

اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں ان دو مثالوں کا حاصل یہ ہے کہ جبل پرستی کو تصرف (قدرت) نہیں ہے وہ آقا کے برابر نہیں ہو سکتا جس طرح کمزور غلام طاقت ور مالک کے برابر نہیں ہے اور جس طرح گونگا بے تمیز صاحب ہدایت کے برابر نہیں ہے۔" ان تمام محاسن کا لحاظ اس مختصر حاشیہ میں کیا گیا ہے، کہا جا سکتا ہے کہ گویا کوزے میں سمندر کو سمو دیا گیا ہے۔

خلفاء اربعہ کی خلافت

شاہ صاحب نے خلفاء اربعہ کی خلافت کو قرآن سے ثابت کیا ہے، مثلاً سورہ الحج کی آیت الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (الحج ۴۱)

اس کے ضمن میں لکھا ہے کہ "اس آیت میں خلفاء اربعہ کی خلافت کی صحت کی دلیل ہے اس لیے کہ یہ حضرات اولین مہاجرین میں سے تھے (گذشتہ آیت میں جس کا تذکرہ ہے) اور زمین میں متمکن ہوئے چنانچہ لازم ہوا کہ اقامت نماز، اداء زکوۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان سے ظاہر ہو، چونکہ تمکین فی الارض اپنی خصوصیات کے ساتھ وابستہ ہے، اس لیے وہی خلافت نبوت ہے۔" [2] شاہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں تفصیل سے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔

[1] حاشیہ فتح الرحمان [2] حاشیہ فتح الرحمان

شاہ صاحب نے خلافت کی دو قسمیں کی ہیں ایک خلافت عامہ اور دوسری خلافت خاصہ خلافت خاصہ تو خلفاء اربعہ کی خلافت ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ[1] شاہ صاحب نے خلافت خاصہ کے لوازم میں خلیفہ کا اولین مہاجرین میں سے ہونا بتایا ہے اور اس پر انہوں نے مذکورہ آیت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ مہاجرین اولین کی شان میں کہتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا اس کے بعد کہتا ہے اللذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق، اس کے بعد فرمایا اللذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر، ان آیات کے معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین اولین جن کو قتال کی اجازت دی گئی کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکین دیں یعنی رئیس Head of the State بنائیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں گے۔ نہی عن المنکر جہاد میں شامل ہے کیونکہ اشد منکرات کفر ہے اور اشد نہی قتال ہے اور نہی عن المنکر رفع مظالم اور اقامت حدود کو بھی شامل ہے اور امر بالمعروف میں دینی علوم کا احیاء بھی شامل ہے پس بمقتضائے مذکورہ تعلیق لازم ہوگا کہ مہاجرین اولین میں سے جو شخص زمین میں متمکن ہوا اس کے ہاتھ سے مقاصد خلافت انجام پائیں[2]

سورہ النور کی حسب ذیل آیت کے ضمن میں لکھا ہے

وعد اللہ اللذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف اللذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم اللذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (النور - ۵۵)

"مترجم کہتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر حدیث میں بیان ہوئی ہے یعنی "خلافت میرے بعد تیس سال تک ہوگی"[3] شاہ صاحب نے اس اجمال کو ازالۃ الخفا میں کھولا ہے وہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"لفظ منکم حاضرین کی طرف راجع ہے نہ کہ تمام مسلمین کی طرف" اس لیے کہ اگر تمام مسلمان مراد ہوتے تو

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا ۱/۲

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا ۱/۱۱-۱۰ [3] حاشیہ فتح الرحمان

اللذین امنوا وعملوا الصالحات کے ساتھ لفظ منکم کے ذکر سے تکرار لازم آتا۔ پس خلاصہ معنی یہ ہے کہ یہ وعدہ نزول قرآن کے شاہدوں کے گروہ کے لیے ہے کہ تمکین دیں ان ہی کی کوششوں اور اجتہاد کے مطابق ظہور میں آئے گی۔[1]

شان نزول

شاہ صاحب نے حاشیہ میں حسب ضرورت شان نزول کے بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے انھوں نے اختصار کے ساتھ ان آیات کی شان نزول بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کے معنی کی تفہیم شان نزول کی وضاحت پر موقوف ہے ان کے علاوہ دیگر آیات کی شان نزول کے بیان کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے مثلاً سورہ البقرہ کی آیت "یا ایھا اللذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب الیم" کی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے اور لفظ "راعنا" کہتے اس لفظ کے دو معانی ہیں ایک یہ کہ ہماری رعایت کیجیے اور ہم پر شفقت کیجیے دوسرے رعونت رکھنے والے مقصد گالی دینا ہوتا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ سے روک دیا تاکہ فساد کا در بند ہو جائے۔

سورہ احزاب کی آیت "ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا" (۳۶) (کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا) کی شان نزول کے بارے میں لکھتے ہیں" دریں آیت تعریض است باں قصہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخست زینب برائے زید خطبہ فرمودہ آنرا زینب و برادرش مکروہ داشتند وایں فعل مناسب حال ایشاں نبود" اس آیت میں قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زینب رضی اللہ عنہا کو زید کے لیے پیغام نکاح بھیجا جسے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی نے ناپسند کیا اور یہ فعل ان کے حال کے مناسب نہ تھا۔

اس شان نزول میں ایک اشکال پیدا ہو گیا ہے کہ شاہ صاحب نے زید رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کو ناپسند کرنے میں زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے بھائی کا بھی تذکرہ کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے ان کے بھائی عبداللہ بن جحش کی صراحت کی ہے[2]

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا ۱/۱۱ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے۔

حضرت زینبؓ کے تین بھائیوں کا تذکرہ ملتا ہے اور تینوں مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے ایک عبید اللہ بن جحش انھوں نے ہجرت حبشہ کی اور وہاں جا کر عیسائیت قبول کر لی اور اسی حالت میں وفات پائی۔ دوسرے عبد اللہ بن جحش جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے، تیسرے ابو احمد عبد بن جحش یہ نابینا تھے اور فتح مکہ کے بعد تک بقید حیات رہے۔ بقول مفسرین جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ کو اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کے لیے پیغام نکاح بھیجا تو اسے زینب اور ان کے بھائی نے ناپسند کیا مگر جب سورہ احزاب کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ان سب نے قبول کر لیا اور مشہور روایت کے مطابق ۴ھ میں زیدؓ اور زینبؓ کا نکاح ہو گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن جحش جب غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو پھر وہ اپنی بہن کے رشتہ کو پسند و ناپسند کرنے کہاں سے آ گئے۔ حافظ اسماعیل ابن کثیر نے اس آیت کی شان نزول میں تین واقعات کا تذکرہ کیا ہے ایک ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط کا جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے ان کا نکاح کر دیا اور اسے ام کلثوم اور ان کے بھائی نے ناپسند کیا یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ ایک صحابی جلبیب کا ہے جو آزاد کردہ غلام تھے ان کا رشتہ آپ نے ایک صحابی کو ان کی لڑکی کے لیے پیش کیا انھوں نے اپنی بیوی سے مشورہ کرنے کی مہلت طلب کی، جب انھوں نے بیوی سے مشورہ کیا تو انھوں نے انکار کر دیا یہ باتیں لڑکی پردہ کے پیچھے سن رہی تھی وہ بولی اگر اللہ کے رسول نے فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے پسند ہے اور آپ کو قبول کرنا چاہیے۔

تیسرا واقعہ حضرت زینبؓ کا ہے مگر اس میں انھوں نے صرف زینبؓ کی ناپسندیدگی کا ذکر کیا ہے ان کے بھائی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا [2]

مفسرین کی بات بشمول شاہ صاحب اگر مان لی جائے تو دو باتیں کہی جا سکتی ہیں ایک یہ کہ یہ بھائی ابو احمد عبد بن جحش تھے نہ کہ عبد اللہ بن جحش اور راوی کو عبد بن جحش کی وجہ سے مغالطہ ہوا چنانچہ ابن ہشام کی روایت [1] ہے کہ

حاشیہ ص ۱۵۳ [1] دیکھیے علامہ زمخشری م ۵۳۸ھ کی تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، علامہ بغوی م ۵۱۶ھ کی تفسیر معالم التنزیل، علامہ قرطبی م ۶۷۱ھ کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، قاضی بیضاوی م ۶۸۵ھ کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل، قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۲۲۵ھ کی تفسیر مظہری، علامہ آلوسی م ۱۲۷۰ھ کی تفسیر روح المعانی، مولانا مودودی م ۱۴۰۰ھ کی تفہیم القرآن، مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن، مولانا شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ (ترجمہ شیخ الہند)، سورۃ الاحزاب آیت ۳۶

[2] تفسیر ابن کثیر سورۃ احزاب آیت ۳۶

"تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش بن رباب الاسدیۃ زوجہ ایاھا اخوھا ابو احمد بن جحش" [1] یعنی جب زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ سے خود نکاح کیا تو اس وقت زینبؓ کے ولی نکاح ابو احمد تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید سے انکار اور نکاح کے وقت بھی ابو احمد ہی ولی رہے ہوں گے۔

دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کے لیے زینبؓ کو پیغام نکاح ۳ھ میں غزوہ احد سے پہلے بھجوایا تھا جسے زینب اور عبد اللہ بن جحش نے ناپسند کیا اور جب سورہ احزاب کی آیت نازل ہوئی تو زینبؓ نے قبول کر لیا چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے جب کہ ۴ھ اور ۵ھ کی روایات راجح ہیں جیسا کہ ابن کثیر کا خیال ہے [2]

بہر حال راقم کے نزدیک ابن کثیر کا رجحان زیادہ باوزن معلوم ہوتا ہے۔ تاہم حضرت زینبؓ کو بھی جو زوجہ رسول ہیں اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہوئے طبیعت ابا کرتی ہے، کیونکہ پیغام نکاح ایک تجویز تھی نہ کہ حکم، اور حضرت زینب نے بھی اسے تجویز ہی سمجھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ یا تجویز کے مقابلہ میں جب کہ وہ بر بنائے وحی نہ ہو صحابہ اپنی تجویز اور رائے کا اظہار کرتے تھے اور قرآن نے کبھی اس کو نافرمانی پر محمول نہیں کیا چنانچہ حضرت بریرہؓ جب آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر مغیثؓ سے علیحدگی حاصل کر لی اور مغیث بریرہ کو چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر آمادہ نہ تھے وہ بریرہؓ کے فراق میں روتے رہتے تھے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا کہ وہ مغیث کی زوجیت میں واپس آ جائیں تو بریرہؓ نے کہا یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم آپ نے فرمایا مشورہ ہے تو بریرہ نے کہا کہ مجھے آپ کے مشورہ کی ضرورت نہیں [3] شادی بیاہ میں پسند و ناپسند کا معاملہ خالص ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے اور اس آزادی کو اللہ اور اس کے رسول نے کبھی نہیں چھینا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مشورہ دیا کہ شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھ لینا چاہیے کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھ میں کچھ ہوتا ہے [4]

حالانکہ قرآن اس کو تجویز نہیں بلکہ اللہ اور رسول اللہ کا حکم قرار دیتا ہے جس کے مقابلہ میں اپنے اختیار معصیت سے تعبیر کرتا ہے اور اسے صریح گمراہی کا موجب قرار دیتا ہے اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا اس آیت میں اشارہ ضعیف الایمان مسلمانوں اور غلط فہمیاں پھیلانے والے منافقوں کی طرف ہے سورہ

---

[1] السیرۃ النبویۃ ۴/۳۲۲ ، [2] السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/۲۷۷ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۶ء

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴/۲۵۲، بخاری، کتاب الطلاق ، [4] مسلم کتاب النکاح

احزاب میں جن کے کردار اور رویوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، اس واقعہ میں بھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے اور آزاد کردہ غلام کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا تو منافقین نے اشراف وغیر اشراف کا فتنہ ابھارنا شروع کر دیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ سے زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد خود نکاح کر لیا تو ان ظلمت پسندوں نے اسے بھی فتنہ سامانی کا موضوع بنا لیا اور کہنے لگے دیکھو کہ محمدؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی غرضیکہ نشانہ تو یہی حضرات ہیں البتہ مذکورہ واقعات نے بھی حالات میں نزاکت پیدا کر دی تھی چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک اس حکم کی نوعیت یہاں ایک عام کلیہ کی ہے جس کے بیان کے لیے وقت کے حالات و واقعات نے مناسب فضا پیدا کر دی تھی، اس سے یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم اور فیصلہ کی خلاف ورزی کسی مومن یا مومنہ کے لیے جائز نہیں یہ بات ایمان کے مقتضیات کے بالکل خلاف ہے اور جو اس کام کا مرتکب ہوتا ہے وہ صریح ضلالت کا مرتکب ہوتا ہے ایمان کا یہ مقتضی ان منافقین و منافقات پر واضح کرنا ضروری تھا جن کا رویہ شروع سے اس سورہ میں زیر بحث ہے تاکہ وہ اللہ کے رسولؐ کی کامل اطاعت پر مجتمع ہوں اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہیں تو اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔"[1]

اس پورے سلسلۂ کلام میں دو باتیں واضح کرنا مقصود تھیں ایک یہ کہ نسب کے اعتبار سے ایک اعلیٰ خاندان کی صاحب زادی اور دوسرے آزاد کردہ غلام میں رشتہ مناکحت ہو سکتا ہے اور اصل چیز دینداری اور دینی اخوت ہے نہ کہ قبائل و خاندان کی روایت، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زیدؓ و زینبؓ کے نکاح کے ذریعہ محض خاندان و قبیلہ پر مبنی اشراف و اراذل کے جاہلی تصور کو ختم کر دیا، دوسرے یہ کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی مطلقہ سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ عہد جاہلیت کا یہ تصور کہ منہ بولا حقیقی بیٹا ہوتا ہے، وراثت میں برابر کا حق دار ہوتا ہے اور حقیقی بیٹے کی طرح اس کے حقوق و فرائض اور مصاہرت ہوتے ہیں اسلام نے اسے ختم کر دیا، اصل مقصود انہی دو جاہلی تصورات کو ختم کر کے اسلامی تصور پیش کرنا تھا۔

خلاصہ کلام

فتح الرحمان میں بہت سے نکات اور موضوعات اہل علم کی دلچسپی کے لیے موجود ہیں اس کے علاوہ شاہ صاحب نے اپنی بیشتر کتابوں بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفا، التفہیمات الالٰہیہ، الخیر الکثیر اور سطعات وغیرہ میں قرآنی آیات سے استشہاد اور استنباط کیا ہے ان میں بھی بڑی معنویت ہے اس طرح

[1] تدبر قرآن ۲۳۳/۶ تفسیر سورہ احزاب آیت ۳۶

کے مقامات بھی بحث و تحقیق کا اہم پہلو ہیں مگر میں نے خوف طوالت سے ان سب کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کی جو کوشش کی ہے وہ بعد کی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے اس لحاظ سے بھی کہ قرآن ہی اسلامی شریعت کا مصدر اولین اور اساس الٰہی ہے جب کہ سنت رسولؐ اس کی شارح و ترجمان ہے اور فقہاء کے اصول انہی سے مستنبط ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ قرآن ہی مسلمانوں کے نظام حیات کا میزان ہے، شاہ صاحب نے جس طرح طبری و رازی زمخشری و غزالی سیوطی سمرقندی جیسے عظیم مفسرین کی نگاہوں سے قرآن کو دیکھنے اور ان کی آراء پر بھروسہ کرنے کے بجائے از خود قرآنی آیات کی تہوں تک پہونچنے کی ہمت کی ہے اس میں بعد کے اہل علم کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ بھی اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اللہ کی نازل کردہ کتاب میں غور و فکر کے لیے استعمال کریں، قرآن کلمۂ طیبہ ہے جس کی مثال اللہ نے اس شجرہ طیبہ سے دی ہے جس کی جڑیں زمین کی تہوں میں پیوست ہیں اور شاخیں آسمان کی بلندی میں ہیں اور وہ ہر لمحہ اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے۔ قرآن کی تازگی و تابانی کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی ثمرباری بھی عام ہوگی مگر اس سے استفادہ کے لیے فکری و ذہنی صلاحیت کے ساتھ اعتقادی و عملی صالحیت کی ضرورت ہے۔

ماخذ و مصادر

عربی

۱	ابن عابدین (الشامی)	رد المختار علی در مختار	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱۴۰۴ھ
۲	ابن العربی (محمد بن عبداللہ)	احکام القرآن	دار الفکر بیروت
۳	ابن ہشام	سیرۃ النبیؐ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۰ء
۴	ابن حزم ظاہری	جمہرۃ انساب العرب	دار المعارف مصر ۱۹۵۲ء
۵	ابن خلکان	وفیات الاعیان	مکتبۃ النہضۃ المصریہ ۱۹۴۸ء
۶	ابن عیسیٰ ترمذی	السنن	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
۷	ابن قیم الجوزیہ	زاد المعاد	مکتبۃ المنار بیروت ۱۹۵۸ء
۸	ابن قیم الجوزیہ	اعلام الموقعین	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر
۹	ابن مسعود بغوی	معالم التنزیل	مطبع صالح ۱۳۸۳ھ
۱۰	ابو حامد الغزالی	المستصفیٰ	دار الطباعۃ المنیریہ بولاق
۱۱	احمد بن حنبل	مسند	مطبع درج نہیں
۱۲	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	مکتبہ مثنیٰ بغداد ۱۳۵۲ھ
۱۳	اسماعیل بن کثیر	تفسیر القرآن	مکتبۃ الریاض ۱۹۸۰ء
۱۴	اسماعیل بن کثیر	السیرۃ النبویہ	دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۶ء
۱۵	اسماعیل پاشا بغدادی	ہدیۃ العارفین	المکتبۃ الاسلامیۃ تہران ۱۳۸۷ھ
۱۶	اسماعیل پاشا	ایضاح المکنون	تہران ۱۳۷۵ھ
۱۷	اسماعیل حقی بروسوی	تنویر الاذہان من تفسیر روح البیان	دمشق ۱۹۸۹ء
۱۸	جلال الدین سیوطی	الاتقان فی علوم القرآن	اصح المطابع بمبئی ۱۹۷۸ء
۱۹	جلال الدین سیوطی	جلالین	کلکتہ
۲۰	خیر الدین زرکلی	الاعلام	مطبع کوستانسوس الظاہر
۲۱	سید محسن امین	اعیان الشیعہ	مطبع الانصاف بیروت ۱۹۵۱ء
۲۲	شمس الدین سرخسی	المبسوط	مصر ۱۳۲۴ھ
۲۳	صدیق حسن خاں	ابجد العلوم	دمشق ب ت

۲۴	عبدالحیٔ لکھنوی	نزہۃ الخواطر	حیدر آباد ۱۹۵۷ء
۲۵	عبدالحیٔ لکھنوی	الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند	دمشق ۱۹۶۵ء
۲۶	عبدالرحمان الفریوائی	جہود اہل الحدیث فی خدمۃ القرآن الکریم	الجامعۃ السلفیۃ بنارس ۱۹۹۲ء
۲۷	عبداللہ بن احمد حافظ الدین نسفی	مدارک التنزیل علی حاشیۃ الاکلیل	اکلیل المطابع بہرائچ
۲۸	علی شواخ اسحاق	معجم مصنفات القرآن الکریم	ریاض ۱۹۸۴ء
۲۹	عیاض بن موسیٰ قاضی	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	فاروقی کتب خانہ ملتان
۳۰	غلام علی آزاد بلگرامی	سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۶ء
۳۱	مالک بن انس	الموطا مع تنویر الحوالک	المطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر
۳۲	مالک بن انس اصبحی	المدونۃ الکبریٰ	مطبع خیریہ مصر
۳۳	محمد بن علی الشوکانی	فتح القدیر	مصر
۳۴	محمد بن علی الشوکانی	ارشاد الفحول	مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۷ھ
۳۵	محمد بن جریر طبری	جامع البیان فی تفسیر القرآن	المطبعۃ المیمنۃ مصر
۳۶	محمد علی الصابونی	صفوۃ التفاسیر	دار القرآن الکریم، بیروت ۱۹۸۱ء
۳۷	محمد بن رشد القرطبی	بدایۃ المجتہد	دار المعرفۃ بیروت ۱۹۸۶ء
۳۸	محمد بن اسماعیل بخاری	الجامع الصحیح	اصح المطابع دہلی
۳۹	محمد بن یحییٰ محسن ترہتی	الیانع الجنی	مطبع صدیقی ۱۲۸۷ھ
۴۰	محمد بن عبداللہ الحاکم	المستدرک	حیدر آباد ۱۳۴۰ھ
۴۱	محمد بن عبدالواحد (ابن ہمام)	فتح القدیر	المطبعۃ الکبریٰ مصر ۱۳۱۰ھ
۴۲	محمود بن عمر زمخشری	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	دار الکتاب بیروت
۴۳	محمود آلوسی	روح المعانی	مکتبہ مصطفائیہ دیوبند
۴۴	مسلم بن حجاج نیشاپوری	الصحیح	اصح المطابع دہلی
۴۵	مصطفیٰ بن عبداللہ (حاجی خلیفہ)	کشف الظنون	مکتبہ جعفری تہران ۱۳۸۷ھ
۴۶	مصعب الزبیری	نسب قریش	دار المعارف مصر ۱۳۵۳ھ
۴۷	ولی اللہ دہلوی	حجۃ اللہ البالغہ	مکتبہ رشیدیہ دہلی
۴۸	ولی اللہ دہلوی	فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر	نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۴ھ
۴۹	ولی اللہ دہلوی	الارشاد الی مہمات الاسناد	مطبع احمدیہ دہلی ۱۳۰۷ھ
۵۰	ولی اللہ دہلوی	التفہیمات الالہیہ	المجلس العلمی ڈابھیل ۱۹۳۶ء

۵۱	ولی اللہ دہلوی	الاربعین	مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۱۹ھ
۵۲	ولی اللہ دہلوی	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	مطبع احمدی دہلی
۵۳	ولی اللہ دہلوی	مسوی	کتب خانہ رحیمیہ دہلی
۵۴	ولی اللہ دہلوی	الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	دار النفائس بیروت ۱۹۷۷ء
۵۵	ولی اللہ دہلوی	اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ
۵۶	ولی اللہ دہلوی	تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء	مطبع احمدی دہلی
۵۷	ولی اللہ دہلوی	تراجم ابواب البخاری و شرحہ	دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۲۳ھ
۵۸	ولی اللہ دہلوی	عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ
۵۹	ولی اللہ دہلوی	البدور البازغہ	المجلس العلمی ڈابھیل ۱۳۵۴ھ
۶۰	ولی اللہ دہلوی	الخیر الکثیر	قرآن محل کراچی

فارسی

۶۱	اہل اللہ شاہ	انفاس رحیمیہ	مطبع احمدی دہلی
۶۲	ابو [illegible]	تفسیر شاہی	چاپ شفق تبریز ایران
۶۳	ابن [illegible] شیرازی	فہرست کتابخانہ مجلس شورای ملی	تہران ۱۳۲۱ شمسی
۶۴	احمد [illegible]ری	فہرست نسخہ ہای کتابخانہ گنج بخش	مرکز تحقیقات فارسی اسلام آباد
۶۵	احمد بن یوسف موصلی	تفسیر الکواشی (قلمی)	مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ
۶۶	احمد سرہندی	مکتوبات امام ربانی	نول کشور لکھنؤ
	بدری آتابائی	فہرست کتب دینی و مذہبی خطی کتابخانہ سلطنتی	تہران ۱۳۵۲
۶۷			
۶۸	حسین بن علی واعظ کاشفی	تفسیر حسینی	نول کشور لکھنؤ
۶۹	درگاہ قلی خاں	مرقع دہلی	دہلی یونیورسٹی ۱۹۸۲ء
۷۰	ذبیح اللہ صفا	تاریخ ادبیات در ایران	تہران یونیورسٹی ۱۳۵۲ شمسی
۷۱	رحمان علی	تذکرہ علماء ہند	نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء
۷۲	رشید الدین میبذی	کشف الاسرار و عدۃ الابرار	مطبع مجلس تہران ۱۳۴۶ شمسی
۷۳	سعید نفیسی	سرچشمہ تصوف در ایران	تہران ۱۹۶۵ء
۷۴	شاہ نواز خاں	ماثر الامراء	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۱۹ء
۷۵	شمس سراج عفیف	تاریخ فیروز شاہی	کلکتہ ۱۸۹۰ء

۷۶	شہاب الدین عمر دولت آبادی	بحر مواج	(قلمی) مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو (مطبوعہ) نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۷ھ
۷۷	صدر الدین شیرازی	تفسیر سورہ واقعہ	خیابان انقلاب تہران ۱۴۰۴ھ
۷۸	عارف نوشاہی	فہرست نسخہ ہای خطی فارسی	مرکز تحقیقات فارسی اسلام آباد ۱۹۸۳ء
۷۹	عبد القادر بدایونی	منتخب التواریخ	کلکتہ ۱۸۶۹ء
۸۰	عبد الحق محدث دہلوی	اخبار الاخیار	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
۸۱	عبد الرحمان	مجموعہ مکتوبات شاہ ولی اللہ	(قلمی) کتب خانہ دار العلوم دیوبند
۸۲	عبد اللہ محمد اصفہانی	کشف الاسرار و عدۃ الابرار	مطبع مجلس تہران ۱۳۳۱ شمسی
۸۳	عتیق بن محمد سور آبادی	تفسیر سور آبادی	بنیاد فرہنگ تہران ۱۳۳۱ شمسی
۸۴	عسکر حقوقی	تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی	تہران یونیورسٹی ۱۳۴۶ شمسی
۸۵	علی اکبر دہخدا	لغت نامہ	تہران یونیورسٹی پریس ۱۳۴۲ شمسی
۸۶	غلام حسین خاں طباطبائی	سیر المتاخرین	کلکتہ ۱۸۳۳ء
۸۷	غلام سرور لاہوری	خزینۃ الاصفیاء	نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۰ھ
۸۸	فتح اللہ کاشانی	منہج الصادقین	تہران ۱۳۴۰ شمسی
۸۹	فتح اللہ کاشانی	خلاصۃ المنہج	(قلمی) مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو
۹۰	لطف اللہ نوح ہالائی	راز معرفت	سندھ یونیورسٹی حیدرآباد ۱۹۶۳ء
۹۱	موسٰی درودی	نخستین مفسران پارسی نویس	انتشارات نور فاطمہ تہران
۹۲	محمد سلیمان زاہدی	تفسیر زاہدی (قلمی)	خدا بخش لائبریری پٹنہ
۹۳	معین الدین فراہی ہروی	حدائق الحقائق	تہران یونیورسٹی ۱۳۴۶ھ
۹۴	نجم الدین عمر نسفی	تفسیر نسفی	انتشارات فرہنگ تہران
۹۵	ولیم بیل	مفتاح التواریخ	نول کشور کانپور ۱۲۷۶ھ
۹۶	ولی اللہ دہلوی	انفاس العارفین	مطبع احمدی دہلی
۹۷	ولی اللہ دہلوی	فتح الرحمان	مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۳ھ
۹۸	ولی اللہ دہلوی	فتح الرحمان (قلمی)	مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو
۹۹	ولی اللہ دہلوی	فتح الرحمان	خدا بخش لائبریری پٹنہ
۱۰۰	ولی اللہ دہلوی		
۱۰۱	ولی اللہ دہلوی	الفوز الکبیر	مطبع محمدی دہلی

۱۰۲ ولی اللہ دہلوی	مسفی	مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ
۱۰۳ ولی اللہ دہلوی	الازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا	مطبع صدیقی بریلی
۱۰۴ ولی اللہ دہلوی	المقدمہ فی قوانین الترجمہ (قلمی)	کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰۵ ولی اللہ دہلوی	ہمعات	اسلامی پریس تحفہ محمدیہ دہلی
۱۰۶ نامعلوم	لب الفوائد (قلمی)	مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو
۱۰۷ نامعلوم	تفسیر کبیر ج	بنیاد فرہنگ تہران ۱۳۴۹ شمسی
۱۰۸ نامعلوم	فہرست مخطوطات شیرانی	پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۰۹ نامعلوم	فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی	پاکستان
۱۱۰ نامعلوم	دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی	تہران ۱۳۶۹ھ
۱۱۱ نامعلوم	تفسیر قرآن (قلمی)	لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
۱۱۲ نامعلوم	ترجمہ قرآن (قلمی)	دانش لائبریری مئوناتھ بھنجن

اُردو

۱۱۳ ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن	ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۱۴ ابوالاعلیٰ مودودی	تجدید واحیائے دین	مکتبہ جماعت اسلامی رام پور ۱۹۵۴ء
۱۱۵ ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت وعزیمت	مجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ ۱۹۸۴ء
۱۱۶ ابوالکلام آزاد	ترجمان القرآن	ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۷۷ء
۱۱۷ اخلاق حسین قاسمی	محاسن موضح قرآن	ادارہ رحمت عالم دہلی ۱۹۷۷ء
۱۱۸ اخلاق حسین قاسمی	شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان	جامعہ رحیمیہ نئی دہلی
۱۱۹ امیر شاہ خاں	امیر الروایات	سہارنپور
۱۲۰ امین احسن اصلاحی	تدبر قرآن	تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۹ء
۱۲۱ بشیر احمد	دارالحکومت دہلی	آگرہ ۱۹۱۹ء
۱۲۲ بشیر احمد	شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات ومعاشیات	بیت الحکمت لاہور ۱۹۴۷ء
۱۲۳ حمید الدین فراہی	مجموعہ تفاسیر فراہی (ترجمہ امین احسن اصلاحی)	لاہور ب ت

۱۲۴ خلیق احمد نظامی	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۹ء
۱۲۵ خلیق احمد نظامی	تاریخ مشائخ چشت	ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۸۲ء
۱۲۶ رحیم بخش دہلوی	حیات ولی	مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۵۵ء
۱۲۷ سالم قاسمی	جائزہ تراجم قرآنی	مجلس معارف القرآن دیوبند ۱۹۶۸ء
۱۲۸ سالم قدوائی	ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں	مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۳ء
۱۲۹ سید احمد اکبرآبادی	مسلمانوں کا عروج وزوال	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۷ء
۱۳۰ سید محمد میاں	علماء ہند کا شاندار ماضی	کتابستان دہلی ۱۹۸۵ء
۱۳۱ سرسید احمد خاں	آثار الصنادید	دہلی ۱۹۶۵ء
۱۳۲ شبلی نعمانی	علم الکلام	دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء
۱۳۳ شیخ محمد اکرام	رود کوثر	لاہور ۱۹۸۶ء
۱۳۴ ظہور الحسن شارب	تاریخ صوفیائے گجرات	جمیل اکیڈمی احمد آباد ۱۹۸۱ء
۱۳۵ عبد العزیز شاہ	ملفوظات (مترجم ایوب قادری)	کراچی ۱۹۶۰ء
۱۳۶ عبد الحق حقانی	مقدمہ تفسیر حقانی	طبع ششم دارالاشاعت دہلی
۱۳۷ عبد الحی لکھنوی	یاد ایام	مطبع علی گڑھ کالج ۱۹۱۹ء
۱۳۸ عبد القیوم مظاہری	شاہ ولی اللہ دہلوی	معارف ملی کان پور ۱۹۷۶ء
۱۳۹ عبید اللہ سندھی	شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۴۴ء
۱۴۰ "	شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	کتاب خانہ پنجاب لاہور ۱۹۴۲ء
۱۴۱ عبد الصمد صارم	تاریخ التفسیر	جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۵ء
۱۴۲ غلام احمد حریری	تاریخ تفسیر ومفسرین	تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۵ء
۱۴۳ غلام رسول مہر	سید احمد شہید	کتاب منزل لاہور
۱۴۴ غوثی شطاری	گلزار ابرار (مترجم فضل احمد)	اسلامک بک سنٹر لاہور ۱۳۹۵ء
۱۴۵ فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ	نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۶ء
قاضی محمد زاہد الحسینی	تذکرۃ المفسرین	کیمل پور پاکستان
۱۴۶ قاضی جاوید	افکار شاہ ولی اللہ	لاہور ۱۹۷۷ء
۱۴۷ مجیب اللہ ندوی	فتاوی عالمگیری کے مولفین	لاہور ۱۹۸۸ء

۱۴۸ محمد ایوب قادری — مخدوم جہانیان جہاں گشت — کراچی ۱۹۶۳ء

۱۴۹ محمد ایوب قادری — وصایا اربعہ — شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ۱۹۶۴ء

۱۵۰ محمد ظفیر الدین مفتاحی — تعارف مخطوطات کتب خانہ دار العلوم دیوبند — دیوبند ۱۹۷۰ء

۱۵۱ محمد اقبال لاہوری — تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ — لاہور ۱۹۵۹ء

۱۵۲ محمد اسحاق (ترجمہ شاہد حسین رزاقی) — علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۱۵۳ محمد اسماعیل گودھروی — ولی اللہ — لاہور ۱۹۶۸ء

۱۵۴ محمد عاشق پھلتی — (اردو ترجمہ تقی انور علوی) القول الجلی — کاکوری ۱۹۸۸ء

۱۵۵ محمد سرور — ارمغان شاہ ولی اللہ — ۱۹۸۸ء

۱۵۶ محمود احمد برکاتی — شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان — مجلس اشاعت اسلام لاہور ۱۹۷۳ء

۱۵۷ مظہر بقا — اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ — اسلام آباد ۱۹۷۳ء

۱۵۸ مناظر احسن گیلانی — تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ — نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۵۹ء

۱۵۹ مناظر احسن گیلانی — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت — ندوۃ المصنفین دہلی

۱۶۰ منظور الحق صدیقی — ہادی ہر زمانہ — لاہور ۱۹۶۳ء

۱۶۱ عہد نامہ عتیق و جدید — بائبل سوسائٹی آف انڈیا بنگلور ۱۹۸۵ء

۱۶۲ ہندوستان میں علوم قرآنیہ کے غیر مطبوعہ مخطوطات — خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۸۹ء

۱۶۳ دائرہ معارف اسلامیہ — دانش گاہ پنجاب لاہور

۱۶۴ میر زمرد علی درد کاکوروی — ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی — سلیمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء

ولی اللہ فرخ آبادی (اردو ترجمہ شریف اکبر آبادی)

۱۶۵ عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ — کراچی ۱۹۶۵ء

انگریزی

۱۶۶ A. Haque Ansari, Sufism and Sharia, London, 1982.

۱۶۷ C. A. Story, Persian literature, London, 1953.

۱۶۸ Azeez Ahmad, Studies in islamic Culture in the Indian Environment,

Oxford, 1964.

۱۶۹ Ismat Binark, World Bibliography of translation of the meaning of The Holy Quran, Istambul, 1986.

۱۷۰ S.A. Rizwi, Shah Waliullah and his time, Australia, 1980.

۱۷۱ M. Mujeeb, The Indian Muslims, London, 1967.

۱۷۲ A.D. Muzter, Shah Waliullah a Saint Scholor of Muslim India, Islamabad, 1979.

۱۷۳ Abdul Muqadir, Catalogue of the Arabic and persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankypur, Patna, 1928.

۱۷۴ M.G. Zubaid Ahmad, the Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature Lahore, 1968.

۱۷۵ Sabeeh Ahmad Kamali, Types of Islamic thought, Aligarh.

۱۷۶ Christian W Troll, Islam in India Studies and Commentries, New Delhi, 1982.

۱۷۷ (The Holy Quran in Tamil Translation. by Mohommed Yusuf KoKan)

رسائل

۱۷۸	ششماہی	مجلہ علوم القرآن	۱۹۸۵-۸۶ء	علی گڑھ
۱۷۹	سہ ماہی	تحقیقات اسلامی	۱۹۸۱ء	علی گڑھ
۱۸۰	سہ ماہی	فکر و نظر	۱۹۸۶ء	اسلام آباد
۱۸۱	ماہنامہ	معارف	۱۹۶۴-۶۶ء	اعظم گڑھ
۱۸۲	ماہنامہ	الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر)	۱۳۵۹ھ	بریلی
۱۸۳	ماہنامہ	الاصلاح	۱۹۳۶ء	سرائے میر اعظم گڑھ
۱۸۴	ماہنامہ	الرحیم	۱۹۶۴ء	حیدرآباد پاکستان
۱۸۵	ماہنامہ	نقوش رسول نمبر ۱۱	۱۹۸۵ء	لاہور

اشاریہ

(اعلام)

الف

غ

ف

ق

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی ،سفرنامے ،لغات،

اردوادب، آپ بیتی ،نقدوتجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com